اُردو کی دُوسری کتاب
دُوسری جماعت کے لیے
پنجاب ٹیکسٹ بُک بورڈ - لاہور
امانت دیانت صداقت شرافت
پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور

مُصنّفین :

پروفیسر سیّد وقار عظیم (مرحوم)

ڈاکٹر اصغر علی شیخ

مرزا مقبول بیگ بدخشانی

نذیر احمد آثم (مرحوم)

محمّد اسحٰق جلالپوری (کنوینر)

نگران : راجا رشید محمود

السٹریشن و آرٹ سکیچنگ :

سجاد ظہیر اینڈ ایسوسی ایٹس

ٹیکسٹ بک السٹریٹرز اینڈ پروسیسرز، مسلم مسجد - لاہور

کتابت : عبدالمتین ابنِ محمد حسین (شاہ)

پرنٹرز : علی مجید پرنٹرز

۸ سی دربار مارکیٹ لاہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرا نام ------------------- ہے

اب مَیں دُوسری جماعت میں ہُوں

یہ میری اُرْدُو کی کِتاب ہے۔

آئیے دیکھیں اِس کِتاب میں

صفحہ نمبر		نمبر شمار

خُدا کی شان

اَے زمین آسمان کے مالِک
ساری دُنیا جہان کے مالِک

تُو ہی ہے سب کو پالنے والا
کام سب کا نِکالنے والا

بُھوک میں تُو ہمیں کِھلاتا ہے
پیاس میں تُو ہمیں پلاتا ہے

آنکھ دی تُو نے دیکھنے کے لِیے
کام کرنے کو ہاتھ پاؤں دِیے

بات کے سُننے کو دِیے دو کان
بات کہنے کو تُو نے بخشی زَبان

دِن بنایا کمائی کرنے کو
رات دی تُو نے نیند بھرنے کو

تیرے قَبضے میں سب خُدائی ہے
تیرے ہی واسطے بڑائی ہے

(حالی)

اللہ کی نِعمتیں

اللہ ایک ہے ۔ یہ دُنیا اللہ نے پَیدا کی ہے ۔ دُنیا کی ہر نعمت اللہ نے پَیدا کی ہے ۔ سُورَج چاند تارے اللہ نے پَیدا کیے ہیں۔ ہَوا اللہ نے پَیدا کی ہے ۔ پانی بھی اُسی نے پَیدا کیا ہے ۔ کھانے پینے کی چیزیں بھی اُسی نے پَیدا کی ہیں ۔ یہ سب نِعمتیں اللہ کی نِعمتیں ہیں ۔ اللہ نے یہ نِعمتیں ہمارے لِیے پَیدا کی ہیں ۔

ہمارے ہاتھ اللہ نے بنائے ہیں ۔ ہم ہاتھوں سے کام کرتے ہیں۔

ہمارے پَیر اللہ نے بنائے ہیں۔ ہم پَیروں سے چلتے ہیں ۔

ہماری آنکھیں اللہ نے بنائی ہیں ۔ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

ہاتھ ، پَیر ، آنکھیں اللہ کی نِعمتیں ہیں۔

اللہ نے ہمیں سُونگھنے کو ناک دی ۔ اُس نے ہمیں سُننے کو کان دِیے ۔ اُس نے ہمیں سوچنے کو عقل دی ۔ یہ سب اللہ کی نِعمتیں ہیں ۔

اللہ نے یہ سب نِعمتیں ہمیں دی ہیں ۔

ہمیں اس کی اِن نِعمتوں کا شُکر ادا کرنا چاہیے ۔

پاکِستان

مَیں پاکستانی ہُوں - پاکستان میرا وَطَن ہے - پاکِستان میں ہَرے بھَرے کھیت ہیں - اُونچے اُونچے پہاڑ ہیں - بَڑے بڑے دریا ہیں - اِس میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہیں اور بَڑے بُڑے شہر بھی -

گاؤں والے کھیتوں میں کام کرتے ہیں - غَلّہ اُگاتے ہیں - شہر والے کارخانوں میں کام کرتے ہیں - ہر طرح کی چیزیں بناتے ہیں -
اِس طرح سب ایک دوسرے کے کام آتے ہیں -

مَیں اپنے وَطَن سے بَہُت پیار کرتا ہُوں - اس وَطَن کی ہر چیز مجھے پیاری ہے -
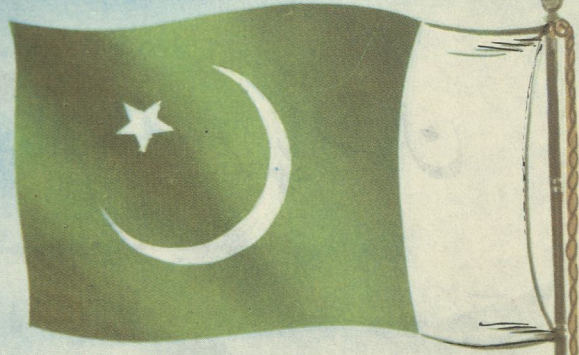
مَیں اپنے وَطَن کے تَرانے گاتا ہُوں ۔ اس کے جَھنڈے کو سَلام کرتا ہُوں۔

مَیں پاکِستانی بچّہ ہُوں ۔ مجھے پاکِستان کے سب بچّوں سے مَحَبَّت ہے ۔ ہم سب پاکستانی بچّے ہیں ۔ پاکِستانی بَہادُر ہوتے ہیں ۔ ہم بھی بَہادُر ہیں ۔ پاکِستانی سچّے ہوتے ہیں ۔ ہم بھی سچّے ہیں ۔

ہم پاکِستان کی عِزّت کرتے ہیں ۔ پاکستان ہمارا ہے ۔ ہمیں پاکِستان سے مَحَبَّت ہے ۔ ہم اِس کا نام رَوشن کریں گے ۔

پاکِستان زِندہ باد

ہمارا دیس

دیس ہمارا ہم کو پیارا
ہم سب کی آنکھوں کا تارا
اپنے دیس پہ ہم قُربان
دیس ہمارا پاکستان

آزادی ہے شان ہماری
آزادی ہے آن ہماری
آزادی اپنا ایمان
دیس ہمارا پاکستان

آؤ خُوشی سے مِل کر گائیں
دُنیا میں یہ دُھوم مچائیں
دیس ہمارا پاکستان
دیس ہمارا پاکستان

(صُوفی تبسّم)
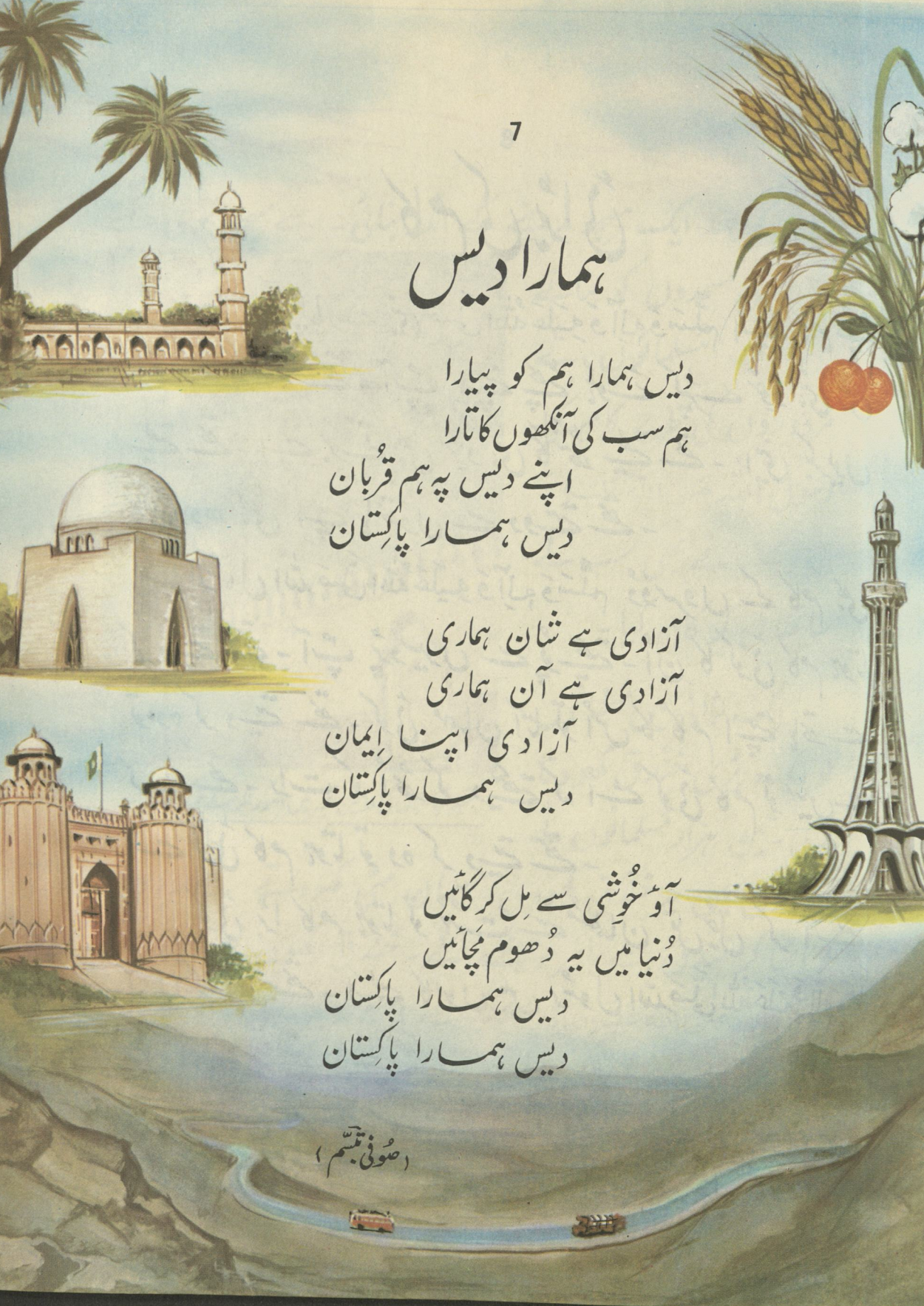
کام کی بڑائی

ہمارے پیارے نبی صَلَّی اللہُ عَلیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ آپؐ اپنے پھٹے ہُوئے کپڑے خود ہی سی لیتے تھے۔ اپنے جُوتے بھی خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔ اپنی بکریوں کا دُودھ بھی اپنے ہاتھوں سے دوہتے تھے۔

رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم دُوسروں کے کام بھی کر دیتے تھے۔ آپؐ پڑوسیوں سے پُوچھتے۔ اُن کا کوئی کام ہوتا تو وہ کر دیتے تھے۔ کوئی مہمان آتا تو اُس کا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ رات کو اُٹھ کر دیکھتے کہ اُسے کوئی کام تو نہیں ہے۔ اُسے کوئی کام ہوتا تو وہ کر دیتے تھے۔

کوئی بڑا کام ہوتا تو بہُت سے مُسلمان مِل جُل کر اُسے کر لیا کرتے تھے۔ ایسے کاموں میں رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم بھی اُن کا ساتھ دیتے تھے۔

مُسلمان مکّے سے مدینے آئے تو اُنھوں نے دو مَسجدیں بنائیں۔ پہلے ایک مَسجد مدینے سے باہر بنائی۔ اسے مسجدِ قُبا کہتے ہیں۔

اُس کے بعد ایک مسجد مدینے کے اندر بنائی۔ اسے مسجدِ نبوی کہتے
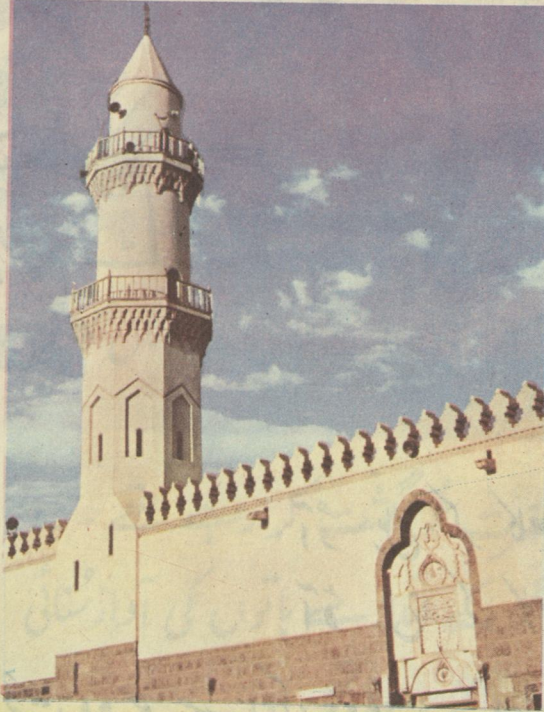
مسجدِ قبا۔ جس کی اوّلین تعمیر میں حضور اکرمؐ نے خود حصّہ لیا۔

ہیں۔ ان مسجدوں کو بنانے میں سب مُسلمانوں نے مزدُوروں کی طرح کام کیا۔ رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم نے بھی سب کے ساتھ مِل کر کام کیا۔

ایک لڑائی میں مُسلمانوں کو ایک بڑی خَنْدَق کھودنا پڑی۔ تین ہزار مُسلمانوں نے بیس دن میں یہ خَنْدَق کھودی۔ مُسلمان مٹی کھودتے تھے۔ اِس مٹی کو اُٹھا کر خَنْدَق سے باہر پھینکتے تھے۔ خَنْدَق کھودنے میں بھی رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے ساتھیوں کی طرح کام کیا۔

رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّم نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا اچھّی بات ہے۔

آؤ مل کر کام کریں
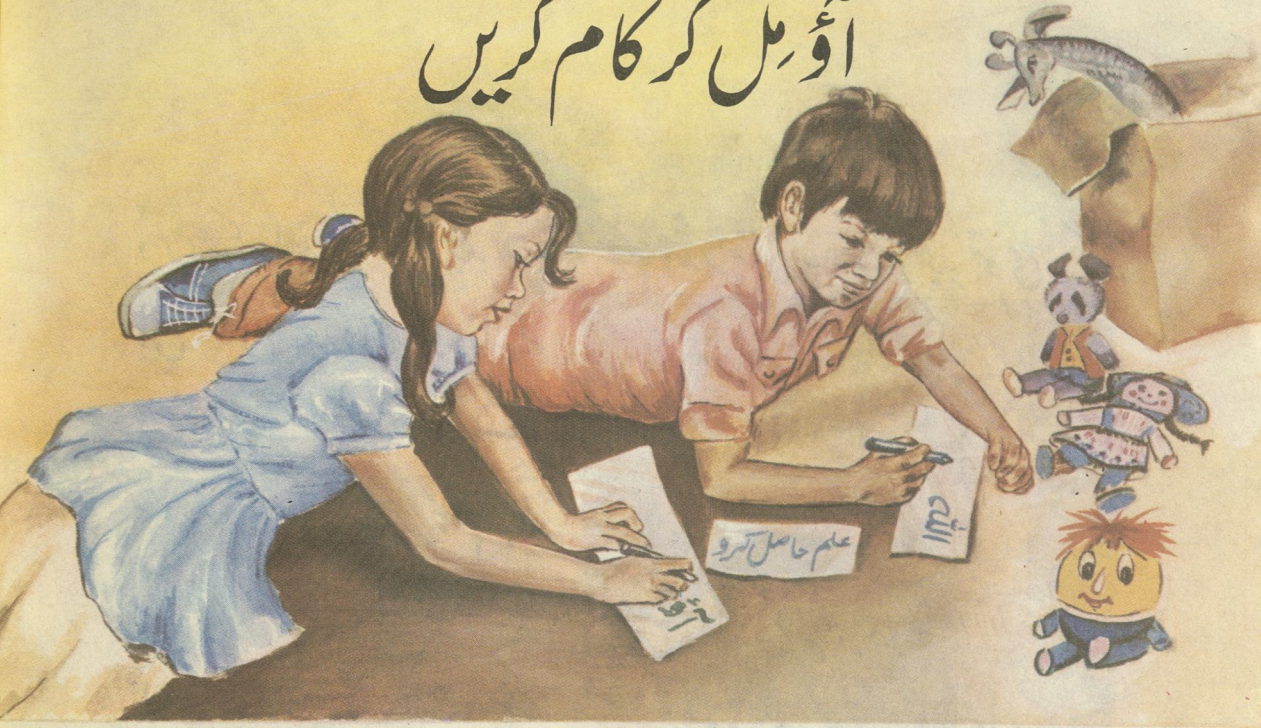
آؤ مِل کر کام کریں
آؤ مِل کر کام کریں

دَولَت وہ جو سب کی دَولَت — عِزّت وہ جو سب کی عِزّت

مِل کر پَیدا نام کریں
آؤ مِل کر کام کریں

مِل کر مِحنَت کرنے والو — مِحنَت کا دَم بھرنے والو

مِحنَت صُبح و شام کریں
آؤ مِل کر کام کریں

(صوفی تبسم)

نیک لڑکی

حضرت عُمرؓ مُسلمانوں کے دُوسرے خلیفہ تھے۔ وہ رات کو شہر کا گشت کیا کرتے تھے۔ اس طرح انھیں لوگوں کے حال کا پتا چل جاتا تھا۔

ایک رات کا ذِکر ہے کہ حضرت عُمرؓ گشت کر رہے تھے۔ وہ ایک گھر کے پاس سے گزُرے۔ گھر کے اندر سے باتوں کی آواز سُنائی دی۔ آپ رُک گئے۔ ایک عورت کہ رہی تھی :

"بیٹی دُودھ میں تھوڑا سا پانی مِلا دو۔" خلیفہ سمجھ گئے کہ بات کیا ہے۔ عورت چاہتی تھی کہ اُس کی بیٹی دُودھ میں پانی مِلا دے۔ اِس طرح دُودھ بڑھ جائے گا اور اس کے پیسے زیادہ ملیں گے۔

آپ اُن کی باتیں غور سے سُننے لگے۔
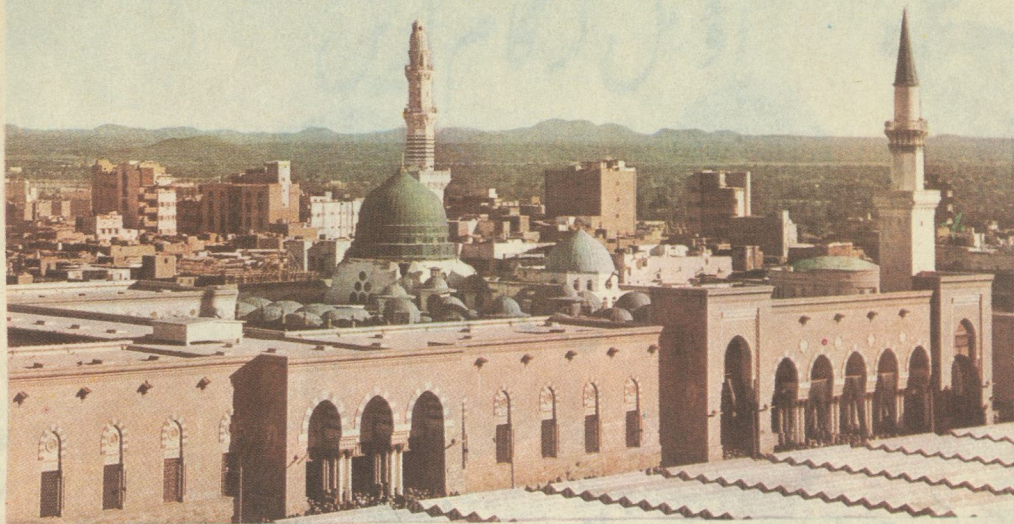
بیٹی نے ماں سے کہا :-

مسجدِ نبویؐ — جہاں نبیٔ اکرمؐ کی لحدِ مُبارک کے ساتھ حضرت عمرؓ دفن ہیں۔

"امّاں! ہمارے خلیفہ کا حُکم ہے کہ کوئی دُودھ میں پانی نہ ملائے۔ اس لیے مَیں دُودھ میں پانی نہیں مِلاؤں گی۔"

ماں نے کہا:-

"مَیں جانتی ہوں۔ لیکن خلیفہ یہاں مَوجُود نہیں ہیں۔ تُم دُودھ میں پانی مِلا دو۔ خلیفہ کو پتا بھی نہیں چلے گا۔"

لڑکی نے کہا:-

"امّاں! خلیفہ یہاں مَوجُود نہیں ہیں، لیکن اللہ تو ہر جگہ مَوجُود ہے۔ وہ تو سب کچُھ دیکھ رہا ہے۔"

ماں لڑکی کی یہ بات سُن کر چُپ ہو گئی۔ خلیفہ نے اُس لڑکی کی باتیں سُنیں۔ وہ اُس کی نیکی سے بہُت خوش ہُوئے۔

حضرت علی عَلَیہِ السَّلام

حضرت علی عَلَیہِ السَّلام ہمارے نبیؐ کے چچا کے بیٹے تھے۔ وُہ عُمر میں رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ سے چھوٹے تھے۔ جب رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ نے لوگوں کو اِسلام کی دَعوَت دی تو حضرت علیؑ کی عُمر دس سال کے قرِیب تھی۔ رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ کی باتیں سُن کر وہ فورًا مُسلمان ہو گئے۔

حضرت علیؑ نے ہمیشہ رسُول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَ آلِہٖ وَسَلَّمَ کا ساتھ دِیا۔ اُنھوں نے بہُت سی لڑائیوں میں حِصّہ لیا۔ ہر لڑائی میں حضرت علیؑ بڑی بہادُری سے لڑے۔ اُنھوں نے بڑے سے بڑے دُشمن کا مُقابلہ کِیا اور ہمیشہ دُشمن پر فتح حاصِل کی۔

حضرت علیؑ نے جن لڑائیوں میں حصّہ لیا، اُن میں سے ایک لڑائی خَیبر کے مقام پر ہُوئی۔ خَیبر کی لڑائی میں دُشمنوں کے سَردار کا نام مَرحَب تھا۔ مَرحَب بہُت بہادُر تھا۔ وہ میدان میں آیا اور پُکار کر کہنے لگا۔
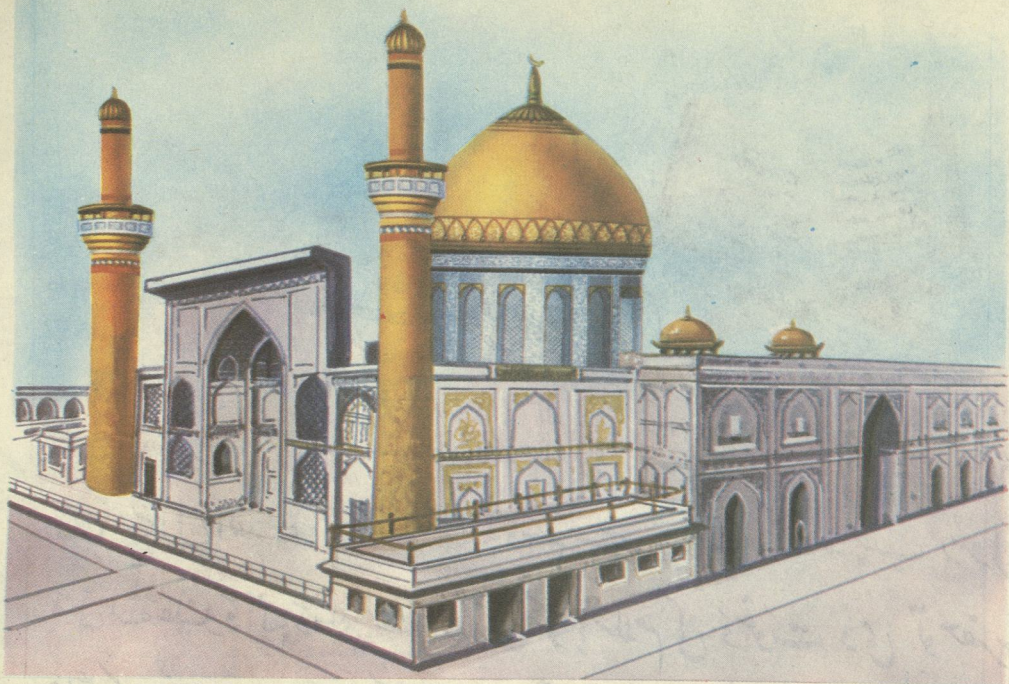
نجف اشرف : حضرت علیؑ کا روضۂ مبارک

"مَیں مَرحَب ہُوں ۔ سارا خیبر مُجھے جانتا ہے ۔ مَیں بہادُر ہُوں۔ مَیں نے بہت سی لڑائیاں لڑی ہیں ۔ مَیں نے زِرہ پہن رکھّی ہے ۔ آؤ ! کون میرا مُقابَلہ کرے گا ؟"

حضرت علیؑ نے مَرحَب کی باتیں سُنیں ، آگے بڑھے اور فرمایا :
"مَیں علی ہُوں ۔ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھّا ہے ۔ مَیں شیر ہُوں ۔ مَیں دُشمنوں کو تیزی سے ختم کر دیتا ہُوں ۔" حضرت علیؑ نے یہ کہا اور مَرحَب کی طرف بڑھے ۔ آپ نے تلوار اُٹھائی اور ایک ہی وار میں مَرحَب کا سَر اُڑا دیا ۔

حضرت علیؑ بہُت بہادُر تھے ۔ وہ خُدا کے شیر تھے ۔

شیر اور چُوہا

سردی کا موسم تھا۔ ایک شیر آرام سے دُھوپ میں سو رہا تھا۔ ایک چُوہا اُدھر آ نِکلا۔ وہ شیر کے پاس گیا۔ اُس نے دیکھا کہ شیر سو رہا ہے۔

چُوہا پہلے شیر کی دُم پر چڑھا۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور شیر کی پیٹھ پر آ گیا۔ پھر ذرا اور آگے بڑھا تو شیر کی گردن پر جا پُہنچا۔

چُوہے کو گردن کے بال بہُت اچھّے لگے۔ وہ بالوں میں گھُس گیا اور خُوب اُچھلا کُودا۔ چُوہا اُچھلا کُودا تو شیر کی آنکھ کھُل گئی۔ اُس نے چُوہے کو پکڑ لیا۔ چُوہا بہُت گھبرایا۔ اُس نے شیر سے کہا۔ "جنگل کے بادشاہ مجھے مُعاف کر دو۔" شیر نے چُوہے کو چھوڑ دِیا۔ چُوہا خُوش

ہو کر بولا۔ "جنگل کے بادشاہ! مَیں کسی دن اس اِحسان کا بدلہ دُوں گا۔" شیر ہنس دیا۔

کُچھ دن بعد ایک شِکاری جنگل میں آیا۔ اُس نے جال لگایا۔ شیر شِکاری کے جال میں پھنس گیا۔ اُس دن چُوہا بھی اُدھر آ نِکلا۔

اُس نے دیکھا شیر جال میں پھنسا ہُوا ہے۔ وہ آگے بڑھا اور اپنے تیز دانتوں سے جال کاٹنے لگا۔ تھوڑی دیر میں جال کٹ گیا۔ شیر جال سے باہر نِکل آیا۔ اُس نے چُوہے سے کہا۔ "تُم نے مُجھ پر بڑا اِحسان کِیا۔" چُوہا بولا۔

"جنگل کے بادشاہ! مَیں نے تو اپنا فرض ادا کیا ہے۔"

دونوں خُوش خُوش چلے گئے۔

صَفائی

ہم صاف سُتھرے بچّے ہیں ۔ ہم صاف رہتے ہیں ۔ ہم صاف سُتھرے کپڑے پہَنتے ہیں ۔ اپنی چیزوں کو صاف رکھتے ہیں ۔ اپنے مَدرَسے اور اپنے گھروں کو بھی صاف رکھتے ہیں ۔ ہمیں صَفائی پسَند ہے ۔

ہم اپنی گلیوں ، بازاروں اور سڑکوں کو صاف رکھتے ہیں ۔ ہم اپنے گھروں کا کوڑا باہر گلیوں میں نہیں پھینکتے ۔ گلی میں گندی چیزیں پھینکیں تو گلی گندی ہو جاتی ہے ۔ ہم پھَلوں کے چھلکے بازار میں نہیں پھینکتے ۔ چھلکوں سے بازار گندے ہو جاتے ہیں ۔ چھلکے پر سے پاؤں پھسَل جائے تو آدمی گر پڑتا ہے اور اُس کے چوٹ لگ جاتی ہے ۔

چھلکوں پر مکّھیاں بیٹھتی ہیں ۔ مکّھیوں سے گندگی پھیلتی ہے۔ مکّھیوں
والی چیزیں کھا کر لوگ بیمار ہو جاتے ہیں ۔ ہمارے سکول میں ردّی
کاغذ اور چھلکے ڈالنے کے لیے ٹوکریاں لگی ہُوئی ہیں ۔ ہم ردّی
کاغذ اُن ٹوکریوں میں ڈالتے ہیں ۔ کوئی پھَل کھائیں تو اُس کے
چھلکے بھی ان ٹوکریوں میں ڈالتے ہیں۔

ہم اِدھر اُدھر نہیں تھُوکتے ۔ تھُوک سے جگہ گندی ہو جاتی ہے۔
اس سے بیماریاں پھیلتی ہیں ۔ ہم تندُرُست رہنا چاہتے ہیں ۔ اِسی
لیے ہم اپنے گاؤں کو صاف رکھتے ہیں ۔ اپنے شہر کو صاف
رکھتے ہیں ۔ ہم چاہتے ہیں ہمارا پُورا مُلک صاف نظر آئے ،
صاف چیزیں دیکھ کر ہمارا دِل خُوش ہوتا ہے۔

صفائی اللہ تعالیٰ کو بہُت پسند ہے۔
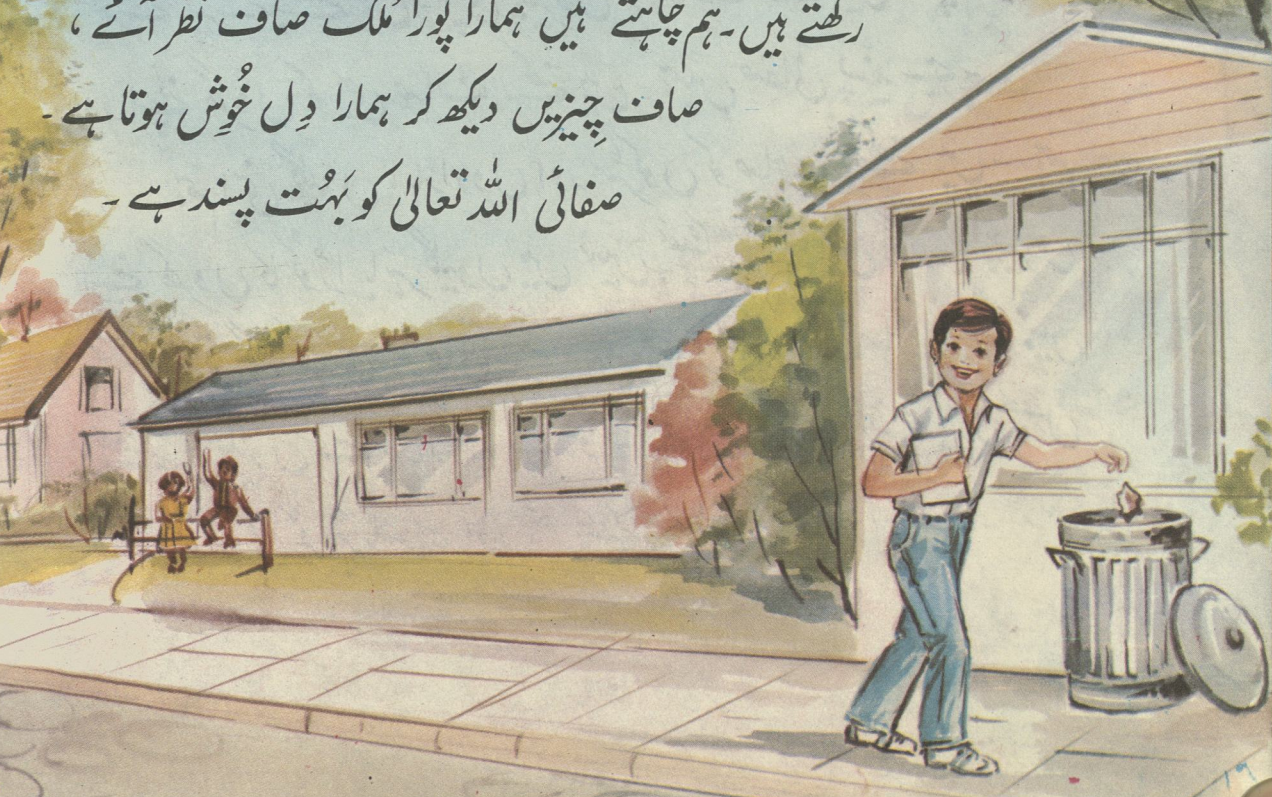
چاند

تُم ندّی پر جا کر دیکھو
جب ندّی میں نہائے چاند

کِرنوں کی اِک سیڑھی لے کر
جگ مگ کرتا آئے چاند

ہنس ہنس کر ندّی کے اندر
روتوں کو بھی ہنسائے چاند

چُپکے چُپکے نِکَل کے دیکھے
اور پھر مُنہ کو چُھپائے چاند

جب تُم اُس کو پکڑنے جاؤ
بادَل میں چُھپ جائے چاند

کیسی لگائی ڈُبکی اُس نے
ڈر ہے ڈُوب نہ جائے چاند

اب پانی میں چُھپ بیٹھا ہے
کیا کیا کھیل دِکھائے چاند

چاہے جِدھر کو جاؤ افسؔر
ساتھ تُمھارے جائے چاند

(افسؔر میرٹھی)

خالِد کے ساتھی

سکول میں بچّوں کا میلا تھا۔ خالِد صُبح سویرے اُٹھا، مُنہ ہاتھ دھو کر ناشتا کیا اور سکول چلا گیا۔ میلے کی خُوشی میں اسے خیال ہی نہ رہا کہ اس کے پالتو جانور جنھیں وہ اپنا ساتھی سمجھتا ہے، اُس کا اِنتظار کر رہے ہیں۔ سُورج نِکل آیا تھا۔ اس وقت خالِد اپنے ساتھیوں کے پاس آیا کرتا تھا۔ لیکن آج وُہ گھر میں نہیں تھا۔

بکری نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُسے خالِد نظر نہ آیا۔ وہ زور سے بولی۔ "مَم مَم ..... مَیں ..... خالِد تم کہاں ہو؟ مجُھے گھاس دو۔ مَیں بھُوکی ہُوں۔"

میمنا بھی چِلّایا۔ "مَیں ..... مَیں ..... مَیں بھی بھُوکا ہُوں۔" گائے نے بھی اِدھر اُدھر دیکھا خالِد کہیں نظر نہ آیا۔ وُہ بھی زور سے بولی۔ "بھاں ..... بھاں ..... خالِد تم کہاں ہو؟ مجُھے چارا دو۔ مَیں بھُوکی ہُوں۔"

بچھڑا بھی چِلّایا "ہاں ..... ہاں ..... مَیں بھی بھُوکا ہُوں۔" دڑبے سے مُرغا چِلّایا۔ "کُکڑُوں کُوں ..... مَیں بھُوکا ہُوں۔" مُرغی بولی۔ "کُٹ کُٹ کٹاک ..... مَیں نے انڈا دے دِیا۔ اب مجُھے دانہ کھِلاؤ۔"

چُوزہ بولا۔ "چُوں چُوں چُوں ..... مجُھے بھی دانہ دو۔"

بِلّی ایک کونے میں سو رہی تھی۔ یہ آوازیں سُن کر وہ

بھی جاگ اُٹھّی۔ دَوڑ کر اپنے برتن کے پاس آئی۔ دیکھا تو

اس میں دُودھ نہ تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ جب خالِد نظر نہ آیا تو کہنے

لگی۔ "میاؤں میاؤں ..... مجُھے دُودھ دو۔ مَیں بھُوکی ہُوں۔" چھوٹا پِلّا باغ

میں کھیل رہا تھا۔ وہ بھی بھاگا بھاگا آیا۔ دیکھا تو برتن خالی ہے۔ کھانے کو

کُچھ بھی نہیں۔ وہ بھی چِلّایا۔ اُوں اُوں ..... میں بھُوکا ہُوں۔"

خالِد کی اَمّی یہ آوازیں سُن کر کمرے سے باہَر آئیں۔ دیکھا تو سَب جَانْور

کھانے کو کُچھ مانگ رہے ہیں۔ اُنھوں نے گائے اور بچھڑے کو چارا ڈالا۔ بکری

اور میمنے کو تازہ گھاس دِی۔ مُرغے، مُرغی اور چُوزے کو دَانہ کِھلایا۔ بِلّی کو دُودھ اور

پِلّے کو روٹی دِی۔ سب نے اُن کا شُکریہ اَدا کیا۔

شام کو خالِد گھر آیا تو امّی نے اُسے سب کُچھ بتایا۔ اُسے اپنی غَلَطی کا

رَنج ہُوا۔ وہ دَوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا۔ اُسے

دیکھ کر سب جَانْور بولنے لگے۔ جیسے کہ رہے ہوں :۔

"خالِد! آج تُم نے ہم سب کو بھُلا دِیا تھا۔"

یہ کِتاب میری نہیں

سکُول میں چھُٹّی ہُوئی۔ لڑکوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ اَبرار بھی اپنے گھر کی طَرَف چَل پڑا۔

اَبرار سڑک پر جا رہا تھا۔ پاس سے ایک لڑکا گزُرا۔ وہ لڑکا سائیکل پر سوار تھا۔ اس کی کِتاب گر پڑی۔ ابرار نے کِتاب اُٹھا لی۔ اُس نے سائیکل والے لڑکے کو آواز دی۔ سائیکل والے نے اس کی آواز نہ سُنی اور تیزی سے آگے نِکل گیا۔

ابرار نے کِتاب اپنے بستے میں رکھ لی۔ گھر پُہنچ کر اُس نے کِتاب کھولی۔ کِتاب بُہت خُوبصُورت تھی۔ اس میں کئی رنگین تصوِیریں بھی تھیں۔ اس میں اچھّی اچھّی کہانیاں بھی تھیں۔ کہانیاں پڑھ کر وہ اور بھی خُوشِ ہُوا۔ ابرار کا دِل للچایا۔ اُس نے سوچا۔ یہ کِتاب مَیں اپنے پاس رَکھ لُوں۔ یہ سوچ کر اُس نے کِتاب الماری میں رَکھ دی۔

صُبح سکُول جانے کا وقت ہُوا تو اُسے پھر کِتاب کا خیال آیا۔

اُس نے سوچا، یہ کِتاب میری نہیں۔ اُس نے اَلماری کھولی اور کِتاب بستے میں رکھ لی۔

سکُول پُہنچ کر اُس نے کِتاب اپنے ماسٹر صاحب کو دے دی۔ ماسٹر صاحب نے کِتاب لے کر کھولی تو پہلے صفحے پر لِکھا تھا:۔

"حامِد مِرزا —— چوتھی جماعت"۔

اُنھوں نے حامِد مرزا کو بُلا بھیجا۔ حامِد آیا تو ماسٹر صاحب نے پُوچھا:۔ "بیٹا یہ کِتاب تمھاری ہے؟"

وہ بولا۔ "جی ہاں! یہ کِتاب میری ہے۔ مَیں کل سے اِسے تَلاش کر رہا ہوں"۔

ماسٹر صاحب نے کہا۔ "تمھاری یہ کِتاب سڑک پر گر پڑی تھی۔ ابرار نے اُٹھا لی اور لا کر مُجھے دے دی۔ لو اپنی کِتاب لے لو"۔ حامِد نے کِتاب لے لی۔ اُس نے ماسٹر صاحب اور ابرار دونوں کا شُکرِیہ ادا کیا۔

ماں کا حُکم

کئی سَو برَس پہلے کی بات ہے کہ ایک قافِلہ کہیں جا رہا تھا۔ کُچھ لوگ پَیدل تھے۔ کُچھ اُونٹوں پر سَوار تھے۔ مال اَسباب بھی اُونٹوں پر لدا ہُوا تھا۔

قافِلہ جَنگل سے گزُر رہا تھا۔ جَنگل میں ڈاکو چھُپے ہُوئے تھے۔ ڈاکُوؤں نے قافلے کو گھیر لِیا۔ سب مال اَسباب لُوٹ لیا۔ ڈاکُو ایک ایک آدمی کے پاس جاتے۔ اس کے پاس جو کُچھ ہوتا وہ اُس سے چھِین لیتے۔

اُس قافِلے میں ایک بچّہ بھی تھا۔ ڈاکُو اُس بچّے کے پاس بھی آئے۔ اُنھوں نے اُس سے پُوچھا: "بتاؤ تُمھارے پاس کیا ہے؟"

بچّے نے کہا۔ "میرے پاس رُوپے ہیں۔"

ڈاکُوؤں نے دیکھا تو بچّے کے پاس کُچھ نہ نِکلا۔ ڈاکُو اُس بچّے کو اپنے سَردار کے پاس لے آئے۔ اُنھوں نے سَردار سے کہا:۔ "یہ لڑکا جھُوٹ بولتا ہے۔ کہتا ہے میرے پاس رُوپے ہیں۔
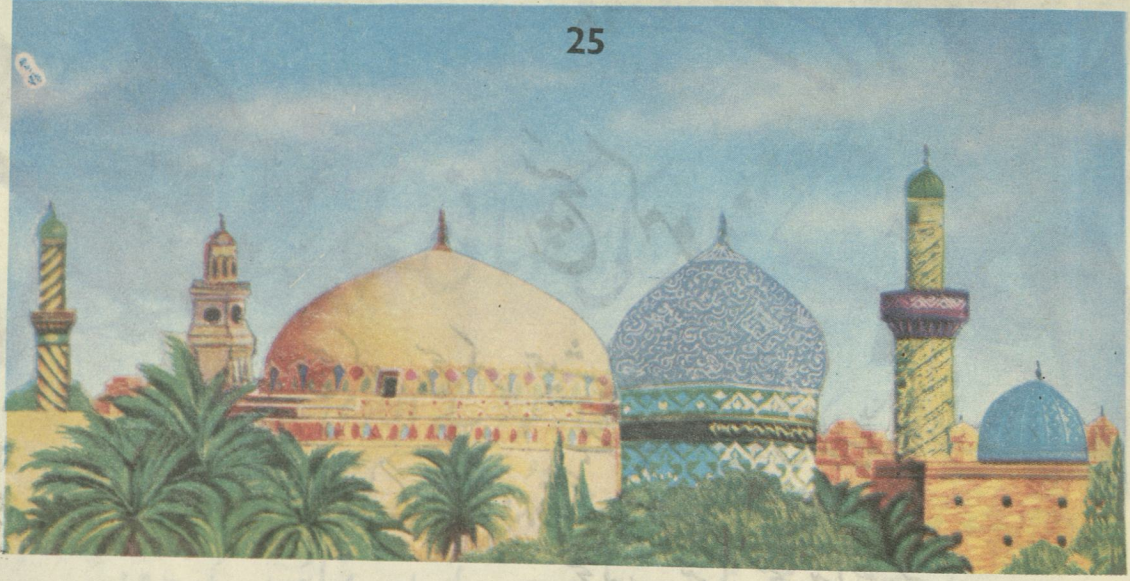
لیکن اس کے پاس رُوپے نہیں ہیں۔"

سردار نے بچّے سے کہا۔" تُم نے جھُوٹ کیوں بولا؟"

بچّے نے کہا۔" مَیں جھُوٹ نہیں بولتا۔ میری ماں نے مُجھ سے کہا ہے، ہمیشہ سچ بولنا۔ یہ دیکھو! رُوپے کپڑوں میں سِلے ہُوئے ہیں۔"

سردار نے دیکھا تو رُوپے کپڑوں میں سے مِل گئے۔ اُس نے سوچا یہ بچّہ کِتنا اچّھا ہے۔ اپنی ماں کا حُکم مانتا ہے۔ مَیں بہُت بُرا ہُوں۔ اللہ کا حُکم بھی نہیں مانتا، ڈاکے ڈالتا ہُوں اور لوگوں کو ستاتا ہُوں۔"

سردار نے اُسی وَقت لُوٹا ہُوا مال لوگوں کو واپس کر دِیا۔ اُس نے ڈاکا ڈالنا بھی چھوڑ دِیا۔ یہ کہانی حضرت عبدالقادِر جیلانی رح کے بچپن کی ہے۔ بڑے ہو کر وہ بہُت بڑے بزُرگ ہُوئے۔ لوگ اُن کو بڑے پِیر صاحِب کہتے ہیں۔ اُن کا مَزار بغداد میں ہے۔

سَچ کہو

سچ کہو سچ کہو ہمیشہ سچ
ہے بھلے مانسوں کا پیشہ سچ
سچ کہو گے تو تم رہو گے عزیز
سچ تو یہ ہے کہ سچ ہے اچّھی چیز
سچ کہو گے تو تُم رہو گے دلیر
جیسے ڈرتا نہیں دِلاوَر شیر

سچ میں راحت ہے اور آسانی
سچ سے ہوتی نہیں پشیمانی
سچ کہو گے تو دل رہے گا صاف
سچ کرا دے گا سب قُصُور مُعاف
وہی دانا ہے جو کِہ ہے سچّا
اس میں بُڈّھا ہو یا کوئی بچّہ

ہے بُرا جھُوٹ بولنے والا
آپ کرتا ہے اپنا مُنہ کالا

(اسمٰعیل میرٹھی)
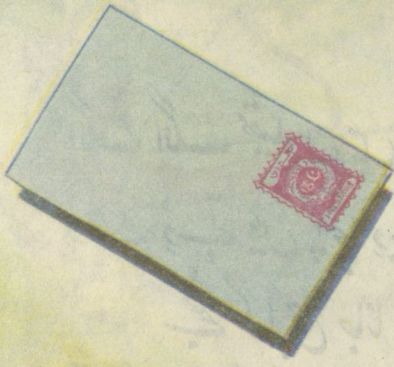
خط کی کہانی

مَیں کاغذ کا ایک کورا ورَق تھا۔ کوثر نے الماری سے مجھے نکالا اور اپنے بھائی طارِق کے نام لِکھنا شُروع کِیا۔ کُچھ اُس کا حال پُوچھا، کچھ اپنا حال بتایا۔ امّی ابّا کی طرف سے پیار اور بھائیوں کی طرف سے سلام لکھا۔ لِفافے پر طارِق کا پتا لِکھا۔ مجھے لِفافے میں بند کِیا۔

لِفافے پر ایک رُوپے کا ٹکٹ لگایا۔ گلی کے موڑ پر لیٹر بکس تھا، اس میں مجھے ڈال دِیا۔

مَیں لیٹر بکس میں پڑا رہا۔ کچھ اور لوگ بھی اس میں خط ڈالتے رہے۔ اب مَیں اکیلا نہ تھا۔ لیکن سارے خط چُپ تھے۔

چار بجے ایک ڈاکیا آیا۔ اُس نے لیٹر بکس کھولا۔ سب خط نِکالے، تھیلے میں ڈالے اور ڈاک خانے لے گیا۔ وہاں ڈاک والوں نے ہر شہر کے خط الگ الگ کیے۔ خطوں پر مُہریں لگائیں اور اُنھیں

الگ الگ تھیلوں میں بند کر دِیا۔ پھر اُنھیں ریل گاڑی کے ڈاک والے ڈِبّے میں پُہنچا دِیا۔

مُجھے کراچی جانا تھا۔ مُجھے ہوائی ڈاک کے تَھیلے میں ڈالا گیا۔ تَھیلے کو ہوائی جہاز میں رکھا گیا۔ ہوائی جہاز کراچی روانہ ہو گیا۔

ہوائی جہاز اپنے اَڈّے پر اُترا۔ ڈاک کا تَھیلا نِکالا گیا۔ تَھیلے کو شہر کے بڑے ڈاک خانے میں لے گئے۔ وہاں سب خطوں کو نِکال کر مُہریں لگائی گئیں۔ سب ڈاکیوں میں خط بانٹ دِیے گئے۔ ڈاکیے اپنے حلقے کے خط لے کر چل پڑے۔ ایک ڈاکِیا مُجھے بھی لے گیا۔ ڈاکِیا خطوں کے پتے پڑھتا اور گھر گھر دیتا جاتا تھا۔ وہ ایک دروازے پر آیا اور آواز دی۔ ایک لڑکے نے دروازہ کھولا۔ ڈاکیے نے مجھے اُس کے ہاتھ میں دے دِیا۔ وہ مُجھے دیکھ کر خُوش ہُوا۔ مَیں سمجھ گیا کہ طارِق یہی ہے۔

عادِل بادشاہ

عادِل اُس آدمی کو کہتے ہیں جو عَدْل کرے۔ عَدْل کا مُطلَب ہے اِنصاف۔ ہمارا مذہَب ہمیں اِنصاف کی تعلیم دیتا ہے۔ تُمھیں معلُوم ہے کہ ہمارا مذہب اِسلام ہے۔ اِسلام کا حُکْم ہے کہ سَب اِنسان برابر ہیں۔ اِس لیے سب کو ایک سا سمجھو۔ سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرو۔ اِسی کا نام اِنصاف ہے۔ اسی کو عَدْل کہتے ہیں۔ جو آدمی عَدْل کرے وہ عادِل ہے۔

آج ہم تمھیں ایک عادِل بادشاہ کی کہانی سُناتے ہیں۔ اس بادشاہ کا نام مَلک شاہ تھا۔ مَلک شاہ ایک دِن شکار کھیلنے گیا۔ اُس نے تِیر چلایا۔ ایک کِسان کا بیٹا کھیت میں کام کر رہا تھا۔ وہ تِیر اس لڑکے کے جا لگا اور وہ لڑکا مَر گیا۔ بادشاہ کو اِس کے مرنے کا بڑا رَنج ہُوا۔

بادشاہ نے اس لڑکے کے باپ کو بُلایا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ نے ایک تھالی منگائی۔ تھالی کو اَشرفیوں سے بھر دیا۔ ان اَشرَفیوں پر ایک تلوار بھی رکھ دی۔
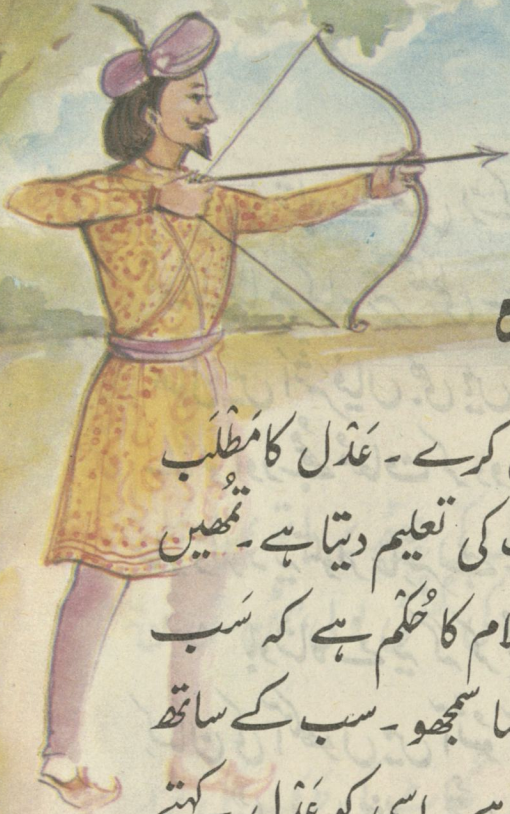
بادشاہ نے تھالی لڑکے کے باپ کو دی اور کہا "بابا! میرے تیر سے تُمھارا بیٹا مر گیا۔ تیر غَلَطی سے اس کے جا لگا تھا۔ مُجھے بہُت رَنج ہے۔اس تھالی میں اَشرَفیاں بھی ہیں اور تَلوار بھی ہے۔ تُمھارا جی چاہے تو اَشرَفیاں لے لو اور مُجھے مُعاف کر دو۔ تُمھارا جی چاہے تو اپنے بیٹے کے بدلے مُجھے مار ڈالو۔ یہ تلوار حاضِر ہے۔"

بادشاہ نے یہ کہ کر بُوڑھے کِسان کے آگے سَر جُھکا دیا۔ بُوڑھے کِسان کی آنکھوں میں آنسُو آ گئے۔ اُس نے کہا۔

"عادِل بادشاہ! تُمھارا اِنصاف سلامت رہے۔ مَیں نے تُمھیں مُعاف کر دِیا۔"

بادشاہ نے وہ اَشرَفیاں بُوڑھے کِسان کو دے دِیں۔

دھوبی

دھوبی گھر سے نِکلا ۔ اُس نے اپنے بَیل کی پِیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ بَیل نے خُوش ہو کر گردَن ہلا دی ۔ اس کے گلے کی گھنٹی بولی، "ٹن ۔ ٹن ۔ ٹن"۔ دھوبی خُوش ہو گیا۔

دھوبی نے کپڑے بَیل پر لادے۔ بَیل گھاٹ کی طَرَف چَل پڑا۔ بَیل کے گلے کی گھنٹی بَج اُٹھی۔ "ٹن ۔ ٹن ۔ ٹن"۔ بَیل آگے تھا۔ اس کے پِیچھے دھوبی تھا۔ سب سے پِیچھے دھوبی کا کُتّا تھا۔ بَیل چلتا رہا۔ گھنٹی بَجتی رہی۔

تھوڑی دیر میں گھاٹ آگیا۔ دھوبی نے بَیل پر سے کپڑے اُتارے۔
بَیل کو سائے میں باندھ دیا۔ اس کے آگے چارا ڈال دِیا۔ وہ چارا
کھانے لگا۔ کُتّا اُس کے پاس بَیٹھ گیا۔

دھوبی پانی میں کھڑا ہو گیا اور کپڑے دھونے لگا۔

چھُوا چھُو، چھُوا چھُو ، چھُوا چھُو، چھُوا چھُو،

گہری ندّی اُجلا پانی   مَیلے کپڑے دھوئے دھوبی
اُجلا پانی بہتا جائے   دھوبی کپڑے دھوتا جائے
مُنہ سے اپنے کہتا جائے

چھُوا چھُو، چھُوا چھُو ، چھُوا چھُو، چھُوا چھُو

دھوبی دِن بھر کپڑے دھوتا رہا، گِیت گاتا رہا۔ اُس نے بہُت
سے کپڑے دھوئے۔ کپڑے دھو کر دُھوپ میں پھیلا دِیے۔ کپڑے سُوکھ
گئے۔ اُجلے اُجلے کپڑوں کا ڈھیر لگ گیا۔

شام ہو گئی۔ دھوبی نے کپڑے بَیل پر لادے۔ دھوبی، بَیل اور
کُتّا گھر کی طرف چل دیے۔ بَیل کی گھنٹی بَج رہی تھی۔
لوگ صاف صاف کپڑے پہنیں گے اور کہیں گے۔ "دھوبی بہت اچھّا ہے"۔

تھوڑا تھوڑا مِل کر بہُت ہو جاتا ہے

بنایا ہے چڑیوں نے جو گھونسلا
سو ایک ایک تنکا اِکٹھّا کیا

گیا ایک ہی بار سُورج نہ ڈُوب
مگر رَفتہ رَفتہ ہُوا ہے غُرُوب

بَرَستا جو مینہ مُوسلا دھار ہے
سو یہ ننھّی بُوندوں کی بَوچھار ہے

درختوں کے جُھنڈ اور جنگل گھنے
یُوں ہی پتّے پتّے سے مِل کر بنے

جولاہے نے جوڑا تھا ایک ایک تار
ہُوئے تھان جس کے گزوں سے شُمار

اگر تھوڑا تھوڑا کرو صُبح و شام
بڑے سے بڑا کام بھی ہو تمام

(اسمٰعیل میرٹھی)

پہلا قطرہ

جُون کا مہینا ہے ۔ سخت گرمی پڑ رہی ہے ۔ دُھوپ میں آگ کی سی تیزی ہے ۔ گھر سے باہَر نِکلنا مُشکِل ہے ۔ سب سایہ ڈھُونڈ رہے ہیں ۔ جنگل کے جانوَر بھی گھبرائے ہُوئے ہیں ۔ سب اپنے گھروں میں گھُس گئے ہیں ۔ کُچھ پیڑوں کے نِیچے پڑے ہانپ رہے ہیں ۔ پرندے گھونسلوں میں جا چھُپے ہیں ۔ دُھوپ کی طرَف دیکھا بھی نہیں جاتا ۔ آدمی، چرند، پرند سب کا بُرا حال ہے ۔ سب دُعا مانگ رہے ہیں ۔ کہ "یا اللہ مینہ برسا دے ۔" لوگ نمازوں کے بعد بھی دُعا مانگتے ہیں، "یا اللہ مینہ برسا دے ۔ یا اللہ ہم پر رَحمت کی بارِش فرما ۔" اللہ نے اپنے بندوں کی دُعا سُن لی ۔ وہ دیکھو اُس طرَف سے کالی گھٹا اُٹھی ۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے آسمان پر چھا گئی ۔ یا اللہ گھٹا بھیجی ہے تو اسے برسا بھی

دے۔ ہم پر اپنی رَحمت کی بارِش کر۔

بارِش کے قطرے بادَلوں میں چُھپے ہُوئے ہیں۔ وہ زمین پر آئیں تو سب کی پیاس بُجھے۔ لیکن ہر قطرہ سوچ رہا ہے "مَیں چھوٹا سا قطرہ ہُوں۔ مَیں کِسی کے کام نہیں آ سکتا۔ مُجھ سے کسی کی پیاس نہیں بُجھ سکتی۔ پھر زمین پر جانے سے کیا فائِدہ۔" بادَل گِھرے ہُوئے ہیں لیکن مینہ نہیں برَستا۔ ہر قطرے کے دِل میں ڈر ہے۔ ہر قطرہ سوچ رہا ہے کہ مُجھ سے کِسی کا بھلا نہیں ہو گا۔ مَیں بہُت چھوٹا ہُوں۔

اِدھر زمین والے پریشان ہیں۔ سب کی نَظَر آسمان کی طَرَف ہے۔

آخر ایک قطرہ بولا۔

یارو تُمھیں کیا ہو گیا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ تم چھوٹے ہو لیکن بہُت سی چھوٹی چیزیں مِل کر ہی تو بڑی چیز بنتی ہے۔

آؤ ہم سب مِل کر زمین کی طرف چلیں اور زمین والوں کی پیاس بُجھائیں۔

اُس قطرے نے یہ کہا اور ہمّت کر کے نیچے کُود پڑا ۔ اُسے دیکھا تو دُوسرا قطرہ بھی چلا ۔ پھر تیسرا قطرہ چلا اور پھر چوتھا ۔ اسی طرح ایک کے بعد ایک قطرہ چلا ۔ ذرا سی دیر میں ہزاروں قطرے زمین کی طَرف لپکے ۔ قطروں سے پھوہار بنی اور پھوہار مُوسلادھار بارِش بن گئی ۔ چھوٹے چھوٹے قطروں نے مِل جُل کر یہ بڑا کام کِیا ۔ ہر طَرف پانی ہی پانی ہو گیا ۔ سُوکھی زمین تَر ہو گئی ۔ پیڑوں میں جان آ گئی ۔ آدمی ، چرند ، پرند سب خُوش ہو گئے ۔ سب نے اللہ کا شُکر ادا کِیا کہ اُس نے بارِش بھیجی ۔

حضرت فاطمہ علیہا السلام

حضرت فاطمہؑ ہمارے رسُولؐ کی بیٹی تھیں۔ رسُولُ اللہ صَلّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اُن سے بہُت محبّت کرتے تھے۔ آپؐ جب سَفر پر جاتے تو لوگوں سے مِل کر جاتے۔ سب سے آخر میں حضرت فاطمہؑ سے جا کر مِلتے۔ رسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم جب سَفر سے واپس آتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؑ سے مِلتے۔

جب حضرت فاطمہؑ رسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی خِدمت میں آتیں تو آپؐ کھڑے ہو جاتے۔ بیٹی کی پیشانی چُومتے اور اُنھیں پیار سے اپنے پاس بِٹھا لیتے۔

ایک بار حُضُور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت فاطمہؑ کو اپنے پاس بُلایا۔ آپؐ نے اُن کے کان میں کوئی بات کہی۔ وہ بات سُن کر حضرت فاطمہؑ رونے لگیں۔ حُضُور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اس کے بعد کوئی اور بات اُن کے کان میں کہی۔ حُضُور صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی یہ بات سُن کر وہ ہنس دِیں۔

لوگوں نے حضرت فاطمہؑ سے پُوچھا کہ آپ پہلے روئیں پھر ہنسیں۔ اِس کی کیا وجہ تھی؟ اُنھوں نے فرمایا کہ پہلے حُضُور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اپنی وفات کا ذِکر کیا تھا۔ اُن کی وہ بات سُن کر مجھے رونا آگیا۔ پھر اُنھوں نے فرمایا کہ تم جَنَّت کی سب عورتوں کی سَردار ہو۔ مَیں نے یہ بات سُنی تو مَیں ہنس دی۔

حضرت فاطمہؑ کی شادی حضرت علیؑ سے ہُوئی تھی۔ حضرت علیؑ، رسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ مُسلمانوں کے چوتھے خلیفہ ہیں۔

شادی کے بعد حضرت فاطمہؑ گھر کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ وہ گھر میں جھاڑو دیتیں، چکّی سے آٹا پیستیں اور گھر کے لیے پانی بھر کر لاتیں۔ چکّی پیستے پیستے اُن کی ہتھیلیاں گِھس گئی تھیں۔

حضرت فاطمہؑ نے غریبوں کی طرح زندگی بَسر کی۔ اُنھوں نے سب کام اپنے ہاتھوں سے کیے۔ غریبوں کا سا کھانا کھایا۔ غریبوں کے سے کپڑے پہنے اور ہر حال میں اللہ کا شُکر ادا کیا۔

حضرت فاطمہؑ کا مرتبہ عورتوں میں بہُت اُونچا ہے۔ وہ اللہ کے رسُول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی پیاری بیٹی تھیں، مُسلمانوں کے خلیفہ کی بیوی تھیں اور حضرت امام حَسَنؑ اور حضرت امام حسینؑ کی ماں تھیں۔ وہ اچھّی بیٹی تھیں، اچھّی بیوی تھیں اور اچھّی ماں تھیں۔

رسُولُ اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا ہے کہ فاطمہؑ جَنَّت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

جنت البقیع (مدینہ منوّرہ) جہاں اہلِ بیت کے مزار ہیں۔

وَقت کی پابندی

صُبح کے چھے بج چُکے ہیں۔
عارِف اور اس کے بہن بھائی تیّار ہو رہے ہیں۔ کوئی دانت صاف کر رہا ہے۔ کوئی نَہا رہا ہے۔ کوئی کپڑے بَدل رہا ہے۔ سب کی نظریں گھڑی پر ہیں۔ وَقت دیکھتے جاتے ہیں اور تیّاری کرتے جاتے ہیں۔ ہر کوئی جَلدی میں ہے۔

عارِف کے ابّا کو ساڑھے سات بجے دفتر پُہنچنا ہے۔ عارِف کے بڑے بھائی کارخانے میں کام کرتے ہیں۔ اُن کا کام سات بجے شُروع ہو جاتا ہے۔ عارِف اور رانی کا سکول بھی ٹھیک ساڑھے سات بجے کُھلتا ہے۔

سب یہی چاہتے ہیں کہ وہ ناشتے سے جلد فارغ ہوں اور وَقت پر اپنی اپنی جگہ پُہنچ جائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے۔ اس طرح کام میں ہرج ہوتا ہے۔

لیجیے! عارِف وَقت پر مَدرسے پُہنچ گیا۔ جُونہی ساڑھے سات بجے،

چپراسی نے گھنٹی بجا دی۔ سب بچّے اور اُستاد مَیدان میں دُعا کے لیے جمع ہو گئے۔ دُعا شُرُوع ہو گئی۔ اب جو بچّے آ رہے ہیں وہ پیچھے الگ قطار میں کھڑے ہوتے جاتے ہیں۔

جب دُعا ہو چُکی تو سب بچّے اپنی اپنی جماعتوں میں چلے گئے۔ لیکن دیر سے آنے والے بچّے وہیں کھڑے رہے۔ وہ دیر سے پُہنچنے پر شرمِندہ ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہَیڈ ماسٹر صاحب اُن کے پاس آئے۔ اُنھوں نے کہا دیکھو بچّو! دیر سے آنا بُری بات ہے۔ جو لوگ وَقت کی پابَندی نہیں کرتے وہ زِندگی میں کامیاب نہیں ہوتے۔

وَقت کی پابَندی کا مطلب یہ ہے کہ ہَر کام کا وَقت مُقرّر

ہے۔ ہر کام کو اسی مُقرّر وَقت پر کرنا چاہیے۔ سونے کے وَقت سو جاؤ۔ جاگنے کے وَقت جاگو۔ نَماز بھی وَقت پر اَدا کرو۔ پڑھنے اور کھیلنے میں وَقت کی پابنْدی کرو۔ اِسی طرح دُوسرے کاموں میں بھی وَقت کا خیال رکھّو۔

سکُول میں ہر کام وَقت پر ہوتا ہے۔ اِسی سے بچّوں کو وَقت پر کام کرنے کی عادَت پڑتی ہے۔ یہی عادَت زِندگی میں اُنھیں کامیاب بناتی ہے۔

بچّوں نے جب یہ باتیں سُنیں تو اُنھوں نے کہا "اب ہم ہمیشہ وَقت کی پابنْدی کریں گے۔"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُنھیں اپنی اپنی جماعتوں میں جانے کی اِجازَت دے دی۔
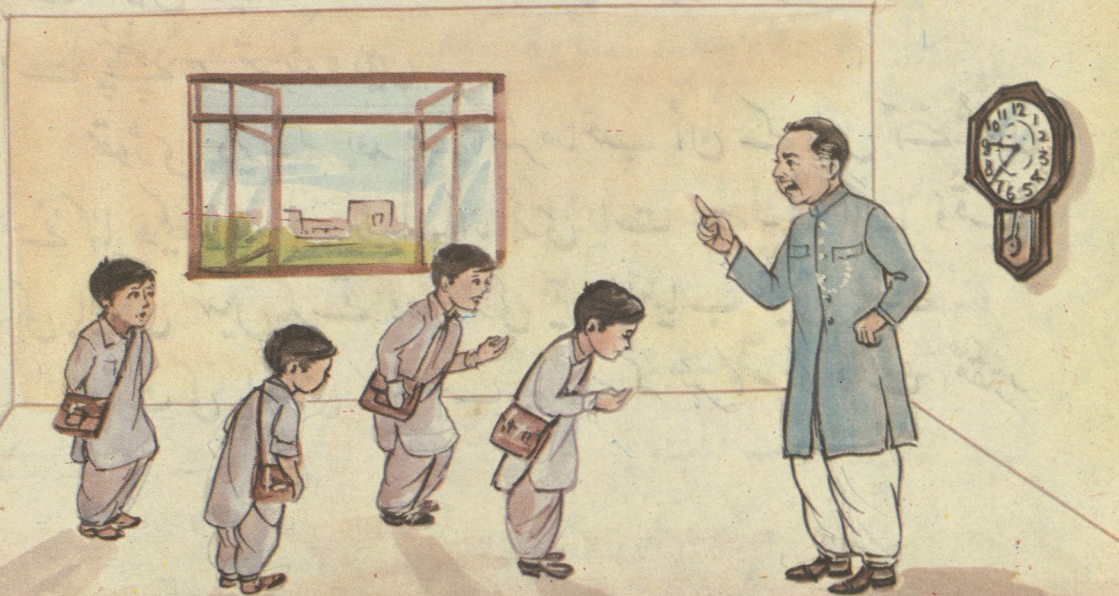
نِنّدیا پُور

دُور بہُت ہی دُور یہاں سے
اور اُس سے بھی دُور
ندّی اِک نِکلی ہے جہاں سے
ندّی سے بھی دُور
دَلدَل ہے گہری سی جہاں پَر
دَلدَل سے بھی دُور
جَنّگل میں ہے بُڑھیا کا گھر
جَنّگل سے بھی دُور

یاد ہے اس کو ایک کہانی
ہے اس میں اِک حُور
حُور ہے یہ اُس مُلک کی رانی
مُلک ہے نِنّدیا پُور
اس جَنّگل کو دیکھوں گا مَیں
جَنّگل سے بھی دُور
حُور کے مُلک میں جاؤں گا مَیں
یعنی نِنّدیا پُور

(افسر میرٹھی)

تلاش کرو

اِس تصویر میں کئی چیزیں ایسی ہیں جن کے نام کا پہلا حرف
"د" ہے۔ آپ اس تصوِیر کی ہر چیز کو غَور سے دیکھیں اور
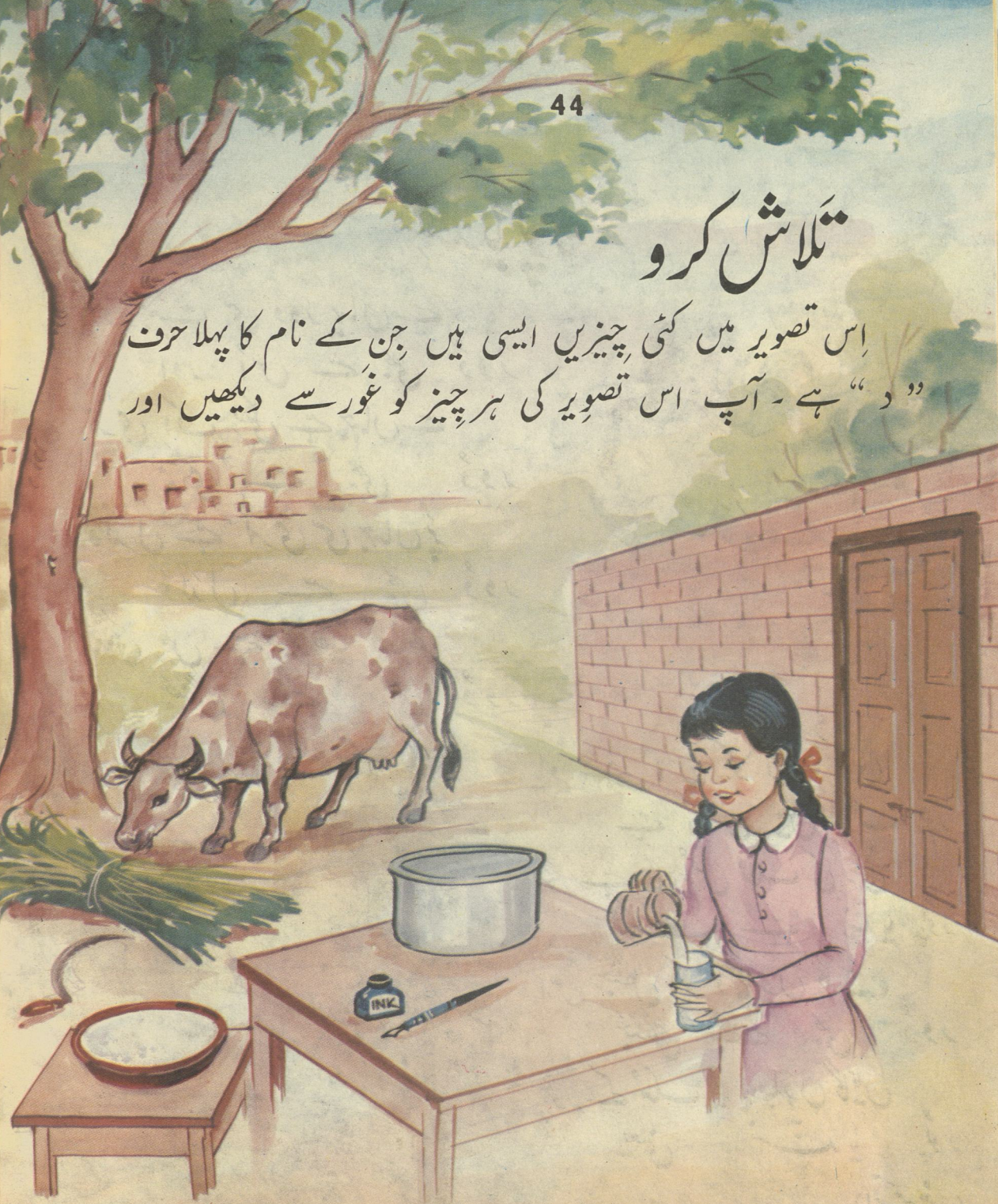
ایسی سات چیزیں بتائیں جن کے نام کا پہلا حرف "د" ہے۔

حضرت سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ

ایک دِن عِمران نے سڑک پر ایک چھوٹا سا جُلُوس دیکھا۔ جُلُوس میں ایک شخص کے پاس لمبا سا بانس تھا۔ بانس پر رنگا رنگ کپڑوں کے ٹُکڑے بندھے ہُوئے تھے۔ کچُھ لوگ اس کے اِرد گرِد تھے۔ ڈھول والا ڈھول بجا رہا تھا۔

عِمران نے گھر آکر اپنے ابّا سے پُوچھا کہ یہ جُلُوس کیسا تھا۔

عِمران کے ابّا نے اُسے بتایا کہ یہ لوگ سخی سَرور رح کے عُرس میں جا رہے ہیں۔ جو لوگ خُود عُرس میں شامِل نہیں ہو سکتے وہ بانس والے کو رنگ دار کپڑوں کے ٹُکڑے دے دیتے ہیں۔ وہ اُنھیں بانس سے باندھ لیتا ہے، اور سخی سَرور رح کے مَزار تک پُہنچا دیتا ہے۔ سخی سَرور رح کا مزار جس مقام پر ہے اس کا نام بھی سخی سَرور ہے جو ڈیرہ غازی خان کے ضِلع میں ایک گاؤں ہے۔

عِمران نے کہا۔ ابّا جان! مجُھے سخی سَرور رح کا کچُھ حال بتائیے۔

عِمران کے ابّا جان نے کہا۔

حضرت سخی سَرور رح کا نام سیّد احمد تھا۔ وہ ملتان کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہُوئے۔

وہ پہلے اپنے والد صاحب سے پڑھتے رہے ۔ پھر تعلیم حاصل کرنے کے لیے لاہور چلے گئے ۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد لاہور سے اپنے گاؤں واپس آ گئے ۔ یہاں وہ اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے ۔

حضرت سخی سرورؒ نے کئی مقامات کا سفر کیا ۔ پہلے بغداد گئے اور کچھ عرصہ حضرت غوثِ اعظم سیّد عبدُالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں رہے ۔ بغداد سے واپسی پر پشاور گئے ۔ پشاور میں اب تک اُن کی یاد میں میلا لگتا ہے ۔

اُنھوں نے دھونکل میں چند سال گزارے ۔ پھر وہ لاہور آئے ۔ دھونکل میں جس جگہ وہ بیٹھا کرتے تھے وہاں شاہ جہاں بادشاہ نے ایک مسجد تعمیر کرا دی تھی ۔ اِسی طرح لاہور میں اُن کی یاد میں

ایک میلا لگتا ہے جسے قدموں کا میلا کہتے ہیں۔

آخر وہ اپنے گاؤں واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہ کر سخی سَرور چلے گئے۔

اُن دنوں مُلتان کا حاکم گھنّو خان تھا۔ گھنّو خان نے اپنی بیٹی کی شادی سخی سَرورؒ سے کر دی۔ شادی میں اُن کو بہُت سی دَولت ملی۔ اُنھوں نے وہ ساری دَولت غرِیبوں کو دے دِی۔ اِسی لِیے لوگ اُنھیں سخی سَرورؒ کہنے لگے۔ اُن کا یہی نام مشہُور ہو گیا۔

سخی سَرورؒ جہاں بھی رہے، لوگوں کو نیکی کی باتیں بتاتے رہے۔ وہ کہا کرتے تھے:۔

"سب مُسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ بھائیوں کو چاہیے کہ ایک دُوسرے کی مَدد کریں اور کسی کو دُکھ نہ دیں۔" سخی سَرورؒ سب کو نصِیحت کرتے تھے کہ وہ محنَت کریں۔ اُنھیں بچّوں سے بہُت پیار تھا۔ وہ بچّوں کو محنَت کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ سخی سَرورؒ کا مَقبرہ ایک پہاڑی نالے کے ساتھ ہے۔ یہ مَقبرہ بہُت عالی شان ہے۔ اُن کا عُرس ہر سال دُھوم دھام سے مَنایا جاتا ہے۔

پھُولوں کی خُوشبُو

چھُٹّی کا دِن تھا۔ خالِد اپنے دوست ناصِر سے ملنے گیا۔ دونوں ایک دُوسرے سے مِل کر بہُت خُوش ہُوئے۔ ناصِر خالِد کو اپنے باغ میں لے گیا۔ باغ میں رنگ رنگ کے پھُول کھِلے ہُوئے تھے۔ موتیے کی خُوش بُو ہر طرف پھیلی ہُوئی تھی۔ ناصِر نے موتیے کے کُچھ پھُول چُنے اور خالِد کو دے دِیے۔ خالِد نے اس کا شُکریہ ادا کیا اور پھُول رُومال میں رکھ لِیے۔

گھر آکر خالِد نے آدھے پھُول امّی کو دے دیے اور آدھے اپنی باجی کو دِیے۔ پھُول لے کر وہ دونوں بہُت خُوش ہُوئیں۔

امّی نے کہا۔ "کتنی اچھی خوشبُو ہے"!

اگلے دِن خالِد اپنے ابّا کے ساتھ سَیر کو گیا۔ چلتے چلتے اُسے پسینہ آگیا۔ پسینہ پونچھنے کے لِیے اُس نے رُومال نکالا۔ رُومال کو اُس نے غَور سے دیکھا۔ اُس کے ابّا نے پُوچھا۔ "خالِد! کیا دیکھ رہے ہو"؟

خالِد بولا۔ "ابّا جان! رُومال سے موتیے کی خُوشبُو آرہی ہے۔ اُس کے ابّا نے کہا۔ "تُم نے ضرُور اُس میں موتیے کے پھُول

رکھّے ہوں گے۔"

خالد بولا۔"جی ہاں کل میرے دوست ناصِر نے مجُھے
پھُول دیے تھے۔ مَیں نے اُنھیں رُومال میں رَکھ لِیا تھا۔ اُن
کی خُوشبُو اب تک آ رہی ہے۔"

خالد کے اَبّا بولے۔" یہ خُوشبُو تمُھیں کچُھ سَبَق دے رہی ہے۔"
خالد نے پُوچھا۔" ابّا جان! کون سا سَبَق"؟

وہ بولے۔" بیٹا! تم نے رُومال میں پھُول رکھّے تھے۔ اُن کی
خُوشبُو رُومال میں بَس گئی۔ پھُولوں کی صُحْبت سے رُومال میں خُوشبُو
آ گئی۔ یِہی حال آدمی کا ہے۔ اچھّی صُحْبت اُسے اچھّا بنا دیتی
ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہمیشہ اچھّے لوگوں سے میل جول رکھّیں۔"

کُٹ کُٹ کرتی آئی مُرغی

کُٹ کُٹ کرتی آئی مُرغی
اپنی فَوج کو لائی مُرغی

فَوج میں اُس کے بچّے سارے
ننّھے مُنّے پیارے پیارے
ماں کو اپنی جانتے ہیں وُہ
بولی بھی پہچانتے ہیں وُہ
اُڑتی اُڑتی چیل جو آئی
دیکھتے ہی مُرغی چلّائی

چیخ کو سُن کر بچّے بھاگے
کچُھ پیچھے کچُھ ماں کے آگے
ماں نے اپنے پَر پھیلائے
بچّے اُن کے نیچے آئے
بچّوں کو چھاتی سے لگایا
سب کو اپنے پَروں میں چھپایا
دانہ دُنکا جب کچُھ پایا
آپ نہ کھایا اُن کو کھِلایا
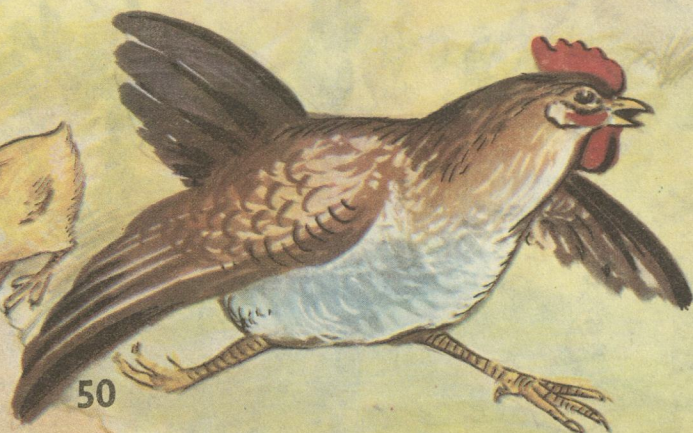
دو عجیب جانور

اِس جانور کی تصویر دیکھیے۔

اُونٹ کی طرح لمبی گردن، لمبی لمبی ٹانگیں لیکن باقی جِسم
پرندوں کی طرح ہے جیسے کوئی بڑا سا مُرغا ہو۔

جی ہاں! سچ مچ یہ جانور اُونٹ بھی ہے اور
مُرغ بھی۔ اِسی لیے تو اسے شُتُرمُرغ کہتے ہیں۔
شُتُرمُرغ افریقہ کے ریگستانوں میں رہتا ہے۔ یہ دُنیا
کا سب سے بڑا پرندہ ہے لیکن یہ اُڑ نہیں سکتا۔

مادہ شُترمُرغ انڈے دیتی ہے۔ اِس کے انڈے کا وَزن سوا کلوگرام ہوتا ہے۔ مادہ شُترمُرغ انڈے ریت میں دبا دیتی ہے۔ دُھوپ کی گرمی سے بچّے نِکل آتے ہیں۔

شُترمُرغ کی ٹانگیں بہُت مضبُوط ہوتی ہیں۔ اسی لیے خاصا تیز دَوڑ سکتا ہے۔ دُشمن سے مُقابلہ کرنا ہو تو اپنے ناخُنوں سے ہتھیار کا کام لیتا ہے۔ کہتے ہیں کسی آدمی نے شُترمُرغ سے پُوچھا:۔

"میاں! تُم اُڑتے کیوں نہیں؟"

شُترمُرغ نے جواب دیا۔

"بھلا اُونٹ بھی اُڑا کرتے ہیں۔"

اس آدمی نے کہا:۔

"پھر تُم بوجھ اُٹھایا کرو۔"

شُترمُرغ بولا:۔

"بھلا مُرغ کبھی بوجھ اُٹھایا کرتے ہیں۔"

اس عجیب جانوَر کو دیکھیے۔

اس کی اگلی ٹانگیں بہُت چھوٹی ہیں۔

پچھلی ٹانگیں لمبی لمبی اور خوب مضبوط ہیں۔
جب بیٹھتا ہے تو پچھلی ٹانگیں زمین پر بچھا لیتا ہے۔ یوں نظر آتا ہے جیسے کرسی پر بیٹھا ہو۔
اس کی دُم بھی خاصی لمبی اور مضبوط ہے۔
اس جانور کو کنگرو کہتے ہیں۔
کنگرو آسٹریلیا کے جنگلوں میں ملتا ہے۔ اس کی پچھلی ٹانگوں کے درمیان ایک تھیلی ہوتی ہے۔ وہ اس تھیلی میں اپنے بچّے کو چھپا لیتا ہے۔ تصویر میں دیکھیے۔ بچّہ تھیلی میں سے سر نکال کر باہر دیکھ رہا ہے۔
کنگرو کے بچّے جنگل میں اِدھر اُدھر کھیلتے رہتے ہیں۔ جب کبھی خطرہ ہو، جھٹ اپنی ماں کے پاس تھیلی میں گھس جاتے ہیں۔
دُنیا کا یہ عجیب جانور اُچھل اُچھل کر دوڑتا ہے اور سات سات میٹر لمبی چھلانگ لگا سکتا ہے۔

اُونٹ

ایک دِن بچّے کھیل رہے تھے۔ سامنے سے ایک اُونٹ گزرا۔ بچّے اُسے دیکھ کر ہنْس پڑے۔ اُونٹ نے بچّوں سے کہا۔ کیا آپ میری لمبی گردَن کو دیکھ کر ہنْس رَہے ہیں؟ کیا میری لَمبی لمبی ٹانگیں آپ کو عجیب نَظَر آتی ہیں؟ ٹھیک ہے، میرے جِسْم کو دیکھ کر اَور لوگ بھی ہنْستے ہیں اور کہتے ہیں "اُونْٹ رے اُونْٹ تیری کون سی کل سیدھی"۔

تُم خُود ہی سوچو۔ کیا مَیں نے اپنا جِسْم خُود بنایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ جس خُدا نے تمھیں پیدا کیا ہے اُسی نے میرا جِسْم بھی بنایا ہے، اُسی نے میری گردَن، ٹانگیں اور دُم بنائی ہے۔ مُجھے تو یہ سب چیزیں بُہت اچھّی لگتی ہیں۔ دیکھو نا! اگر میری گردَن لمبی نہ ہوتی تو مَیں اُونچے اُونچے درختوں سے پتّے کیسے کھا سکتا۔ لمبی لمبی ٹانگیں نہ ہوتیں تو دُور دُور کے سَفر کیسے طے کرتا؟ مَیں اللہ کا شُکر ادا کرتا ہُوں جس نے مجُھے پَیدا کیا۔

لوگ مجُھے کُچھ بھی کہیں مَیں بُرا نہیں مانتا۔ چُپ چاپ سب کی خِدمت کرتا ہُوں۔ اپنے مالِک کا حُکْم مانتا ہُوں۔ بھاری بھاری

بوجھ اُٹھاتا ہُوں۔ کام کرنے کے بعد پتّے، کانٹے اور گھاس کھا کر پیٹ بھر لیتا ہُوں۔

تُم جانتے ہو، ریگستان میں ریت ہی ریت ہوتی ہے۔ ریت میں گھوڑا آسانی سے نہیں چَل سکتا۔ ریت میں موٹر اور بَس بھی آسانی سے نہیں چَل سکتی لیکن مَیں بڑے مزے سے ریت پر چلتا ہُوں۔ میرے پَیر چوڑے چوڑے اور نرم ہیں۔ میرے پَیر ریت میں نہیں دَھنستے۔ اِسی لیے مُجھے ریگستان کا جہاز کہتے ہیں۔
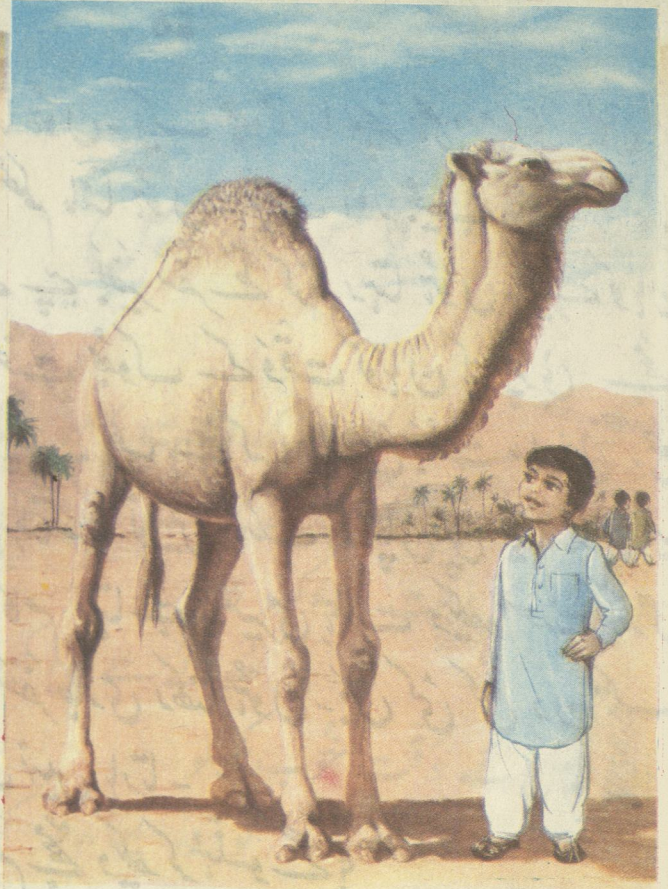
تُم نے بہُت سے اُونٹوں کو مِل کر چلتے ہُوئے بھی دیکھا ہو گا۔ ہم سب ایک دُوسرے کے پیچھے قطار بنا کر چلتے ہیں۔ میری ناک کی طرف دیکھو۔ تمھیں ایک رَسّی نظر آ رہی ہے۔ اِسے نَکیل کہتے ہیں۔ میرا مالِک میری نَکیل پکڑ کر جہاں چاہے مجھے لے جائے۔ مَیں

اُس کے پیچھے پیچھے چلا جاتا ہُوں۔ ایک چھوٹا سا بچّہ بھی میری نکیل پکڑ لے تو مَیں اُس بچّے کا حُکم مانتا ہُوں۔ ایک اور عجیب بات سُنو! مَیں کئی کئی دن کھائے پیے بغیر سَفر طے کرتا رہتا ہُوں۔ میرے کوہان میں چربی ہوتی ہے۔ سخت بھُوک کے وَقت کوہان کی چربی مجُھے طاقت دیتی ہے۔ میرا پیٹ ایسا ہے کہ اس میں بہُت سا پانی جمع ہو سکتا ہے۔ جب پانی ملتا ہے تو مَیں بہُت سا پانی پی لیتا ہُوں۔ یہ پانی مجھے کئی دن تک کام دیتا ہے۔ میری ہمّت دیکھو سخت آندھی اور طُوفان میں بھی اپنا سَفر جاری رکھتا ہُوں۔ مَیں کئی کئی دن تک چلتا رہتا ہُوں اور ہمّت نہیں ہارتا۔

بچّو! کیا اب بھی تُم مجُھے دیکھ کر ہنسو گے؟

کام اور کھیل

ہے کام کے وَقت کام اچّھا
اور کھیل کے وَقت کھیل زیبا

جب کام کا وَقت ہو، کرو کام
بھُولے سے بھی کھیل کا نہ لو نام

ہاں کھیل کے وَقت خُوب کھیلو
کُودو پھاندو کہ ڈنڈ پیلو

خُوش رہنے کا ہے یہی طریقہ
ہر بات کا سیکھیے سَلیقہ

اپنی ہِمّت سے کام کرنا
مُشکِل ہو تو چاہیے نہ ڈرنا

مَت چھوڑیو کام کو اَدھُورا
بے کار ہے جو ہُوا نہ پُورا

ہے کام کے وَقت کام اچّھا
اور کھیل کے وَقت کھیل زیبا

فیصل آباد

اگر آپ نے فیصل آباد دیکھا نہیں تو اس کا نام ضرور سُنا ہو گا۔

آئیے ! آج آپ کو اس شہر کی سَیر کرا لائیں۔ ریل گاڑی پر چلنا چاہیں تو ریل حاضر ہے۔ بس سے چلنا ہے تو بس سے چلیے اور اگر آپ دُور سے آ رہے ہوں تو ہوائی جہاز میں بیٹھ جائیے، آپ فیصل آباد پُہنچ جائیں گے۔ آپ کِسی بھی سواری سے سفر کریں جب آپ شہر کے قریب پُہنچیں گے تو سب سے پہلے آپ کو کُچھ اُونچے اُونچے مِینار نظر آئیں گے۔ لیکن اَصل میں یہ مِینار نہیں۔ یہ فیصل آباد کے کارخانوں کی چِمنیاں ہیں۔ اس شہر میں کپڑے کے کارخانے ہیں۔ یہاں سُوتی کپڑا بھی بَنتا ہے اور ریشمی کپڑا بھی۔ اِن

کارخانوں میں ہزاروں مزدُور کام کرتے ہیں ۔ فیصل آباد کا بنا
ہُوا کپڑا پاکستان سے باہر دُوسرے مُلکوں میں بھی جاتا ہے۔
لوگ اس کپڑے کو بہُت پسند کرتے ہیں ۔

فیصل آباد میں کپڑے کے عِلاوہ بھی بہُت سے کارخانے
ہیں ۔ یہاں چینی کا بہُت بڑا کارخانہ ہے ۔ آٹے، سُوجی
اور میدے کی مِلّیں ہیں ۔ تیل نِکالنے کے کارخانے ہیں ۔
یہاں بنیانیں اور جُرابیں بھی بنتی ہیں ۔

فیصل آباد میں لاکھوں اِنسان بستے ہیں ، امیر بھی
اور غریب بھی ۔ کارخانے دار بھی اور مزدُور بھی ۔
یہ سب لوگ مِل جُل کر رہتے ہیں ۔ سب
ایک دُوسرے کی عِزّت کرتے ہیں ، ایک دُوسرے
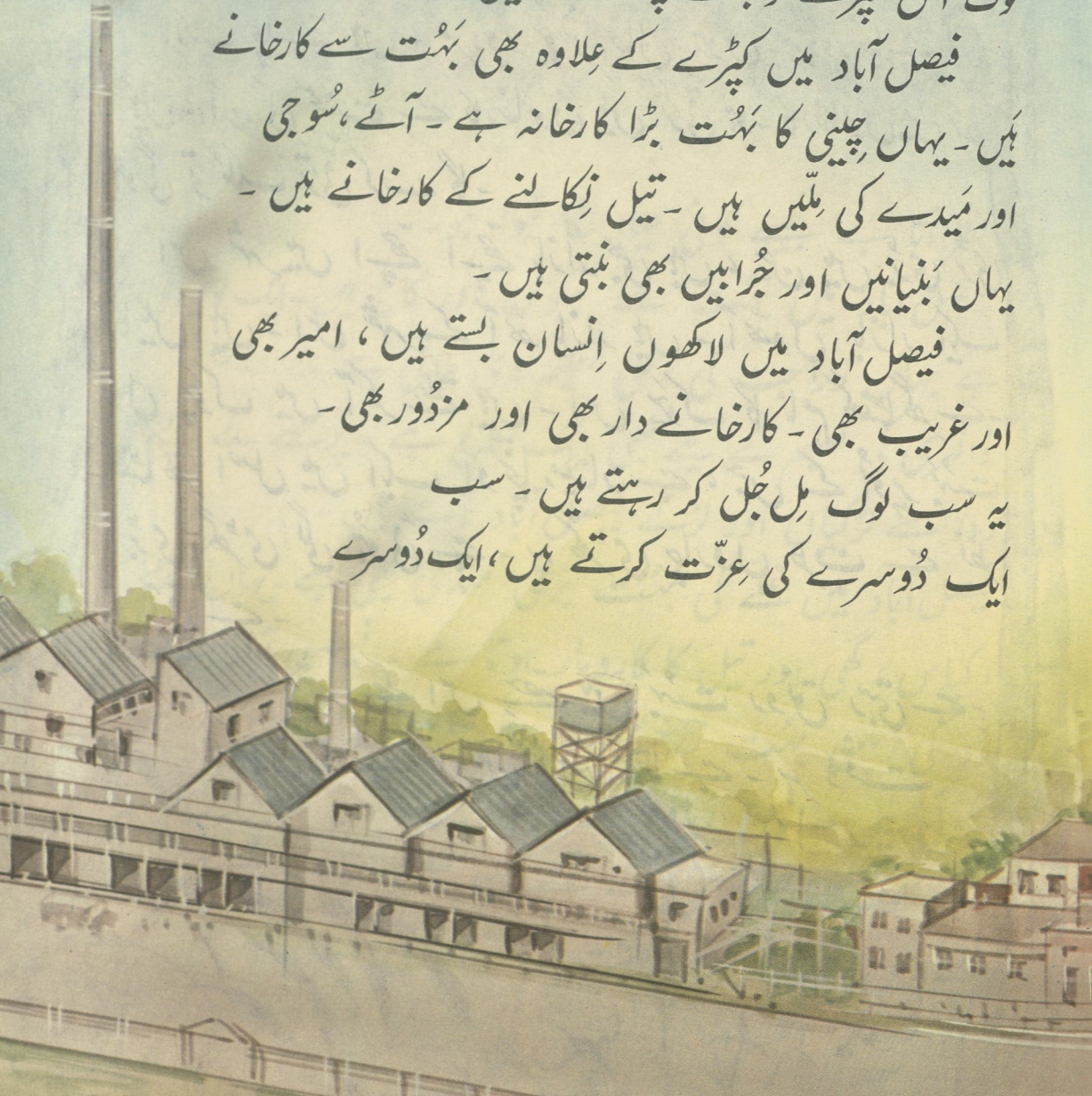
کی مدد کرتے ہیں۔ کارخانے کے
مالک چاہتے ہیں، مزدُور خُوش حال ہوں۔ مزدُور چاہتے
ہیں، اُن کی محنت سے کارخانوں میں ترقّی ہو۔ کارخانوں میں ترقّی
ہو گی تو مُلک ترقّی کرے گا۔

اس شہر میں اچھّے اچھّے بازار بھی ہیں، جن میں بڑی بڑی
دُکانیں ہیں۔ اس شہر کے آٹھ بازار ہیں۔ آٹھوں بازار ایک
گول چوک میں آکر ملتے ہیں۔ اِس چوک کا نام گھنٹا گھر ہے۔
گھنٹا گھر اَصل میں ایک اُونچا مینار ہے، جس کے اُوپر بہُت
بڑی گھڑی لگی ہُوئی ہے۔ یہ گھڑی چاروں طرف سے نظَر
آتی ہے۔

شہر کے اس حِصّے میں بہُت رونق رہتی ہے۔
لاکھوں روپے کا لین دین ہوتا ہے۔ ہر وَقت
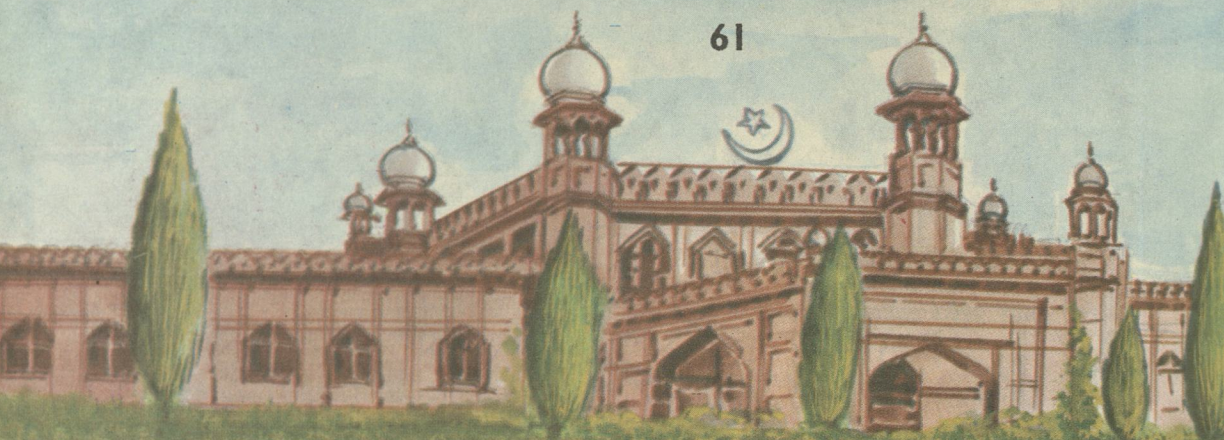
یُوں نظر آتا ہے جیسے کوئی میلا لگا ہُوا ہو۔

فیصل آباد میں بہُت سے سکُول اور کالج ہیں۔ ایک یونیورسٹی بھی ہے جہاں زراعت کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے۔

ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے بھی ایک کالج ہے۔ پڑھنے کے لیے دُور دُور سے لڑکیاں اور لڑکے فیصل آباد آتے ہیں۔

فیصل آباد میں غلّے کی بہُت بڑی منڈی بھی ہے۔ یہاں گندم، چنے، کپاس، گھی اور تیل کا کاروبار ہوتا ہے۔ فیصل آباد کے اِرد گِرد کی زمین بہُت زرخیز ہے۔ اس زمین میں فصلیں بہُت اچھّی ہوتی ہیں۔ اناج زیادہ اُگتا ہے۔ یہی اناج منڈی میں آکر بِکتا ہے۔ لوگ اسے خریدنے کے لیے فیصل آباد آتے ہیں۔ اِسی لیے اس شہر میں ہر وَقت رَونق رہتی ہے۔

صُبح کی سَیر

سَویرے جو کَل آنکھ میری کھُلی
عجب تھی بہار اور عجب سَیر تھی
خُوشی کا تھا وَقت اور ٹھنڈی ہَوا
پرِندوں کا تھا ہَر طَرف چہچہا
یہی جی میں آئی کہ گھر سے نِکَل
ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چَل
چَھڑی ہاتھ میں لے کے گھر سے چلا
اور اِک باغ کا سِیدھا رستہ لِیا
وہاں اور ہی جا کے دیکھی بہار
دَرختوں کی ہے ہر طَرَف اِک قطار

کِھلے پھُول ہیں اِس قَدَر جا بجا
کہ خُوشِ بُو سے ہے باغ مہکا ہُوا
کہیں آم ہیں اور کہیں ہیں انار
کہیں کھٹّے مِیٹھے ہیں دیتے بہار
خُدا نے ہماری خُوشی کے لِیے
یہ سامان سارے ہیں پَیدا کِیے
سَویرے ہی اُٹھّے گا جو آدمی
رہے گا وہ دن بھر ہنسی اور خُوشی
نہ آئے گی سُستی کبھی نام کو
کرے گا خُوشی سے ہر اِک کام کو
رہے گا وہ بیماریوں سے بچا
یہ ہے سَو دواؤں سے بہتر دَوا

(آزاد)

دریا کی سَیر

کل چھُٹّی تھی ۔ دُھوپ خُوب چمک رہی تھی ۔ سَردی کم ہوگئی
تھی ۔ ہم نے سوچا سَیر کو چلیں ۔ مَیں اور رانی دونوں ابّا جان کے
پاس گئے ۔ رانی بولی " ابّا جان ہمیں سَیر کرا لائیے نا ! "

ابّا جان نے پُوچھا ۔ " کہاں چلو گے ؟ "

مَیں نے جواب دیا ۔ " چِڑیا گھر ۔ "

رانی نے کہا ۔ " اُوں ہُوں ! چِڑیا گھر تو ہم کئی بار جا چُکے ہیں ۔ آج
تو ہم دَریا کی سَیر کریں گے ۔ "

ابّا جان نے کہا ۔ " ہاں ٹھیک ہے ۔ امّی سے کہو تیاری کر لیں ۔ "
تھوڑی دیر میں سب تیّار ہو گئے ۔ امّی نے کچھ انڈے اُبال لیے ۔
ابّا جان مونگ پھلی ، چلغوزے اور مالٹے لے آئے ۔

دریا ہمارے گھر سے ذرا دُور ہے ۔ اس لیے ہم نے ٹیکسی کرائے
پر لے لی ۔ تھوڑی دیر میں ہم دریا پر پُہنچ گئے ۔

دریا پر ہمیں ایک ملّاح مِلا ۔ اُس نے پُوچھا ۔
" صاحب ! کشتی لو گے ؟ " ابّا جان بولے ۔ " ہاں ۔ بابا جی ! کتنے
پیسے لو گے ؟ " ملّاح بولا ۔ صاحب ! بچّوں کو سَیر کرا دُوں گا جو آپ کا

جی چاہے دے دیجیے گا۔"

بابا ہمیں اپنی کَشتی کے پاس لے گیا۔ اُس نے کَشتی کا رسّا پکڑا اور ہمیں کہا۔" بیٹھیے!"

ابّا جان نے پہلے مجُھے سَوار کرایا، پھر رانی کو۔ اس کے بعد امّی کی مدد کی۔ سب سے آخر میں خُود بیٹھے۔

بابا نے چَپُّو پکڑ لیے اور دونوں ہاتھوں سے چَپُّو مارتا ہُوا کَشتی کو گہرے پانی میں لے آیا۔

بابا زور زور سے چَپُّو مارتا۔ پانی کَشتی سے ٹکرا کر پیچھے ہٹ جاتا اور کَشتی آگے بڑھ جاتی۔

ملّاح بابا کَشتی بھی چلاتا جاتا اور باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ اُس

نے اپنی زِندگی کی بہُت سی باتیں سُنائیں ۔ اُس نے ہمیں دریا
کے متعلّق بھی بہُت دِلچسپ باتیں بتائیں ۔
دریا کے دونوں طرَف ہرے بھرے کھیت تھے ۔ ذرا فاصلے
پر اُونچے اُونچے پیڑ بھی تھے ۔ کشتی تیز چلتی تو یُوں لگتا جیسے
کھیت اور پیڑ پیچھے کو دَوڑ رہے ہوں ۔
بابا چپُّو مارتا رہا، کشتی چلتی رہی اور ہم خُوب مزے سے سَیر
کرتے رہے ۔ آخر ابّا بولے ۔ "بابا کشتی کو واپس لے چلو ۔ کافی سَیر
ہو چکی ۔" بابا نے کشتی موڑ لی ۔ اُسے جلد ہی کنارے پر لے آیا ۔
ہم کشتی سے نیچے اُترے ۔
ابّا جان نے بابا کو پچاس روپے دیے ۔ اُس نے خُوش ہو کر
سَلام کیا ۔ ہم نے بھی بابا کو سَلام کیا ۔ دِن ڈھلنے کو تھا ۔ ہم
نے وہیں سے ٹیکسی کرائے پر لی اور واپس گھر آ گئے ۔

یہ کیا نِکلا !

چُنّا مُنّا دو چُوزے تھے اِک دن دونوں گھر سے نِکلے

دانہ چُگنے باغ میں آئے
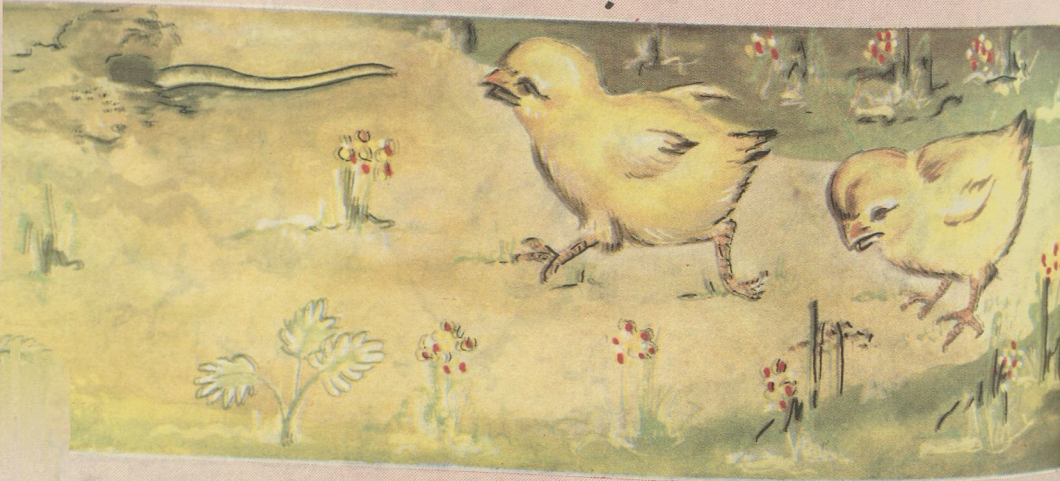
چُنّا اِک دانے پر لپکا مُنّے نے اِک کیڑا دیکھا

پتلا پتلا لمبا لمبا

مُنّے نے چُنّے کو بُلایا   دونوں نے کیڑے کو پکڑا
زور سے پکڑا زور سے کھینچا

دونوں نے مِل کر زور لگایا   کیڑا باہر کھِنچتا آیا
کھِنچتا آیا ..... کھِنچتا آیا

باہر نِکلا   تو کیا دیکھا
اِتنا موٹا تازہ چُوہا !!
چُنّا مُنّا ڈر کر بھاگے   چُنّا پیچھے مُنّا آگے

حضرت داتا گنج بخش رحؒ

طارِق اور کوثر ناشتا کر کے اپنے ابّا کے پاس آئے اور کہا۔ " ابّا جان ! آج ہمیں داتا صاحب رحؒ کے عُرس کی چُھٹّی ہے ۔ آپ ہمیں عُرس میں لے چلیے نا"۔
اُن کے ابّا نے کہا۔ "ہاں ضرُور چلیں گے لیکن ابھی نہیں۔ وہاں زیادہ رَونق شام کو ہوتی ہے ، اِس لِیے شام کو چلیں گے"۔

شام کے چار بجے طارِق اور کوثر نے کپڑے بدلے اور ابّا سے چلنے کو کہا۔ وہ بھی تیّار ہو گئے ۔ تینوں بَس میں سوار ہُوئے اور داتا صاحب رحؒ کے مَزار کے قرِیب بَس سٹاپ پر پہنچ گئے۔ بس سٹاپ کے قرِیب ہی بہُت سے پنگُوڑے تھے جن میں بچّے جھُول رہے تھے اور خُوش ہو رہے تھے۔

بازار داتا صاحب رحؒ میں پہنچے تو اُنھوں نے دیکھا کہ دونوں طرف دُکانیں خُوب سجی ہُوئی ہیں۔ دُکانوں پر گاہکوں کی بِھیڑ لگی ہُوئی ہے۔ لوگ مٹھائی اور پھُول خرِید کر مَزار کی طرف جا رہے ہیں۔

بازار میں تھوڑی دُور جا کر مَزار آ گیا۔
سیڑھیاں چڑھ کر سب اُوپر پُہنچے تو دیکھا کہ بہُت سے لوگ جمع ہیں۔ کُچھ مسجد میں نَماز پڑھ رہے ہیں، کُچھ مزار پر جا کر پھُول چڑھا رہے ہیں۔ وہ بھی مَزار کے قرِیب گئے اور تینوں نے فاتِحَہ پڑھی۔
کوثر نے مَزار کے اُس طَرَف دیکھا۔ وہاں بہُت سے لوگ قطار میں کھڑے تھے۔ اُس نے اپنے ابّا سے پُوچھا:
"اُبّا جان! یہ لوگ قطار میں کیوں کھڑے ہیں"؟ اُنھوں نے کہا۔ "بیٹی وہاں کھانا تقسیم ہو رہا ہے اور وہ دیکھو قرِیب ہی دُودھ کی سبیل لگی ہُوئی ہے۔ لوگ سبیل سے دُودھ پی رہے ہیں"۔
اِتنے میں شام ہو گئی۔ ہر طَرَف بجلی کی رَنگا رنگ بتّیاں جلنے لگیں۔ سارا دَربار جگ مگ جگ مگ کرنے لگا۔
طارِق نے پُوچھا۔ "ابّا جان! لوگ یہاں کب تک رہیں گے"؟
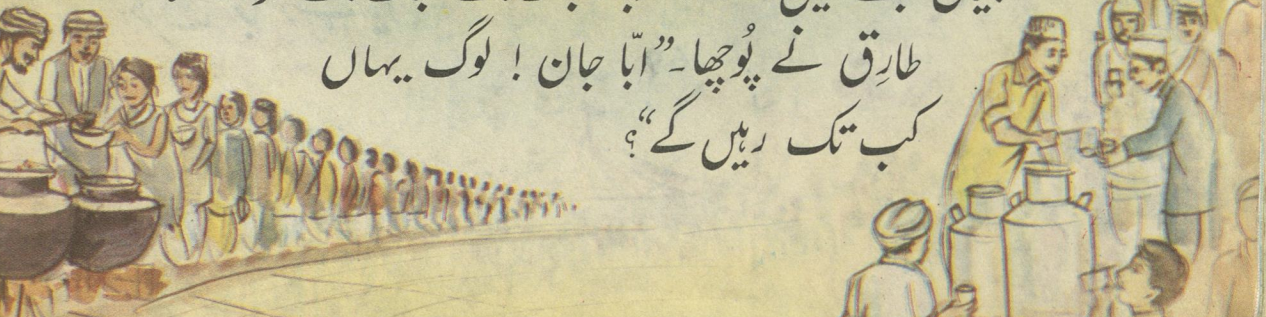
اُنھوں نے جواب دیا۔ "لوگ یہاں دیر تک عِبادت کرتے رہتے ہیں۔ کُچھ لوگ صُبح تک یہیں ٹھہریں گے اور صُبح کی نماز پڑھ کر گھروں کو جائیں گے۔"

واپَس آتے ہُوئے کوثر نے کہا۔ "ابّا جان ! ہمیں داتا صاحبؒ کا کُچھ حال سُنائیے۔"

ابّا جان نے بتایا ۔ داتا صاحبؒ بہُت بڑے بزُرگ تھے ۔ اُن کا نام علی تھا۔ وہ شہرِ غزنی کے محلہ ہجویر میں پیدا ہُوئے ۔ اسی لِیے اُنھیں ہجُویری کہتے ہیں۔ اُنھوں نے غزنی میں تعلِیم پائی، پھر سِندھ آ گئے ۔ یہاں سے سمندر کے راستے کئی اِسلامی مُلکوں کا سَفر کِیا۔ سَفر میں بڑے بڑے عالموں سے مِلے اور اُن سے فیض حاصِل کِیا۔ آخر واپَس آئے اور لاہور میں رہنے لگے۔

لاہور میں اُنھوں نے

بھاٹی دروازے کے باہر ڈیرا لگایا۔ قریب ہی ایک مسجد بنائی۔ آپ نماز پڑھ کر مسجد ہی میں بیٹھا کرتے۔ لوگ اُن سے ملتے۔ آپ اپنے ملنے والوں کو اسلام کی باتیں بتاتے۔ لوگوں پر آپ کی باتوں کا بڑا اثر ہوتا اور وہ مسلمان ہو جاتے۔ آپ لوگوں کو قرآن شریف پڑھاتے اور اس کا مطلب بھی سمجھاتے۔ داتا صاحبؒ لوگوں کو اچھّی اچھّی باتیں بتاتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ محنت کر کے روزی کماؤ۔ محنت کی روزی میں خدا برکت دیتا ہے۔ نیکی کے کام کرو۔ پڑوسیوں سے اچھّا سلوک کرو۔ غریبوں کی مدد کیا کرو۔ آپ کہتے تھے کہ علم حاصل کرو۔ جو علم حاصل کرو اس پر عمل بھی کرو۔ داتا صاحبؒ سے بڑے بڑے بزرگوں نے فیض پایا۔ اسی لیے اُنھیں داتا گنج بخشؒ کہتے ہیں۔ آپ کا عرس ہر سال منایا جاتا ہے۔ جو لوگ نیک کام کر جاتے ہیں اُن کا نام ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

کتاب بہترین ساتھی ہے
اس سے پیار کیجئے
اسے ضائع ہونے سے بچائیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ
21 - ای - 2 گلبرگ 3'
لاہور

عزیز طلباء طالبات
السلام علیکم

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ آپ کا اپنا ادارہ ہے جو نصاب کے مطابق معیاری کتابیں مہیا کرتا ہے۔ نصابی ضروریات کے علاوہ ان کتابوں کے ذریعے آپ میں اسلامی اقدار اور ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا شعور اجاگر کیا جاتا ہے۔

یہ کتابیں تجربہ کار ماہرین تعلیم سے لکھوائی جاتی ہیں تاہم اگر کوئی بات وضاحت طلب رہ گئی ہو تو یقیناً آپ کے اساتذہ اس کمی کو پورا کر سکتے ہیں۔ کتابوں کو مزید بہتر بنانے کے لئے آپ کے اور آپ کے اساتذہ اور والدین کے مشوروں کے لئے ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

پنجاب ٹیکسٹ بک کی کتابیں بورڈ کے اس خاص نشان سے پائی جاتی ہیں جو ہر کتاب کے سرورق پر چھپا ہوتا ہے۔

فقط والسلام
آپ کا خیر اندیش
ریاض احمد خان
چیئرمین

تیار کردہ : پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

منظور کردہ : قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان

قومی ترانہ

پاک سر زمین شاد باد　　کشورِ حسین شاد باد

تُو نشانِ عزمِ عالی شان　　ارضِ پاکستان

مرکزِ یقین، شاد باد

پاک سر زمین کا نظام　　قوتِ اُخوتِ عوام

قوم، مُلک، سلطنت　　پائندہ تابندہ باد

شاد باد منزلِ مُراد

پرچمِ ستارہ و ہلال　　رہبرِ ترقّی و کمال

ترجمانِ ماضی، شانِ حال　　جانِ استقبال

سایۂ خدائے ذوالجلال

سیریل نمبر

926

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
مارچ 1993	اول	18	1,15,000	7.75